سکندر شاہین

نیشنل کونسل آف دی آرٹس اسلام آباد

بخیل

تحریر : سکندر شاہین

مولیئر کی تخلیق "L'Avore" سے ماخوذ

شعبۂ مطبوعات

پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس

(جملہ حقوق محفوظ)

بار اوّل : ۱۹۷۴ء

تعداد : ایک ہزار

ناشر : پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس

اہتمامِ کتابت : رشید بٹ

قیمت : [redacted] Rs. 40.00

پہلی بات

بعض انسانی خصلتیں ایسی ہوتی ہیں جو بظاہر بڑی معصوم بے ضرر اور ایک فرد تک محدود نظر آتی ہیں لیکن اُن کا بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو حقیقت اس کے برعکس نکلتی ہے یہی صورت بخل کی ہے۔ جب ہم نفسیاتی اعتبار سے اس کا جائزہ لیتے ہیں تو واضح ہوتا ہے یہ عادت دولت کی محبت ہی کا ایک شاخسانہ ہے۔ یہاں بھی وہی ذہنیت کام کرتی ہے جس کا مظاہرہ کسی جاگیردار یا سرمایہ دار کی ہوسِ زر میں ہوتا ہے۔ اور اس سے کم و بیش وہی معاشرتی خرابیاں اور معاشی ناہمواریاں رونما ہوتی ہیں۔

اس ڈرامے میں ایک بخیل کا کردار پیش کیا گیا ہے جسے نہ صرف اپنی جمع شدہ دولت کو خرچ کرنا گوارا نہیں بلکہ وہ اس میں مزید اضافہ کرنے کے لیئے ناجائز ذرائع اختیار کرتا ہے۔ اس زر پرستی سے اس کے متعلقین، کیا انسان، کیا حیوان سب کے حقوق پامال ہوتے ہیں اس کی اولاد پدرانہ سرپرستی، محبت و شفقت سے محروم ہوتی ہے۔ اخلاقی اقدار تباہ ہوتی ہیں۔ بے ادبی، گستاخی، حکم عدولی، خوشامد، عدم اعتمادی، خودغرضی دھوکہ و فریب، ریاکاری، چور چکاری، اور سودی کاروبار کی گرم بازاری ہوتی ہے اس طرح نوع بہ نوع معاشرتی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

طنز و مزاح کے محرکات میں تضحیک و تمسخر، بے جوڑ پن اور سطحیت کے علاوہ معاشرتی ناہمواری ہے۔ معاشرے کے عام لوگوں سے ہٹ کر کوئی بات ہو تو اس سے ہنسی اور خوش طبعی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ اس ڈرامے میں بخیل کی ذہنی کجی اور کج روی سے

طنز و مزاح کا وافر سامان پیدا کیا گیا ہے ۔ دل لگی کی باتوں کے ہمراہ بعض معاشرتی نقائص بھی اُجاگر ہوتے ہیں جو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں اسی لئے اس ڈرامے کی اشاعت تفریح طبع کے علاوہ افادیت کا پہلو بھی لئے ہوئے ہے جو ہر ادب پارے کا مقصد اولین ہے ۔

مولیئر کے ڈراموں کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کا مرکزی کردار کسی خاص قسم کے ذہنی مرض میں مبتلا ہوتا تھا اور اسکے ارد گرد کے باقی کردار مثلاً بیوی، بھائی، نوکر، وکیل، سپاہی، اُستاد، پیشہ ور لوگ و دیگر کارندے اس کے مرض کو دُور کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے ۔ مثلاً اگر مرکزی کردار بیمار ہے تو دُوسرے کردار اس کی صحت کی علامت تھے ۔ اور اگر اول الذکر کو جنون کا نام دیا جائے تو موخر الذکر خرد کے علمبردار تھے ۔ مولیئر کے ڈراموں میں معاشرتی بیماریاں اور صحت مندی، پاگل پن اور دانشمندی، اسی طرح ایب نارمل کرداروں کے ارد گرد نارمل کرداروں کا ایک رقص سا جاری رہتا تھا جس کے نتیجے کے طور پر نارمل کرداروں کی فتح ہوتی تھی "بخیل" انہی کی جیتی جاگتی تصویر ہے ۔

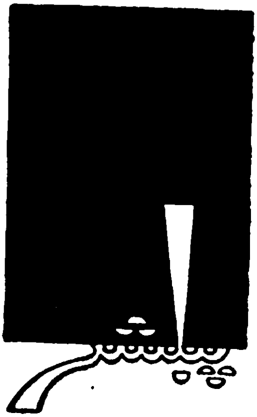

"بخیل" مولیئر کی ۳۰۰ سالہ برسی کے موقع پر پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس کے زیرِ اہتمام مؤرخہ ۲۷ مارچ سے ۲ اپریل ۷۴ء تک لیاقت میموریل ہال میں ان فنکاروں کے تعاون سے پیش کیا گیا

سکندر شاہین	حاجی عبدالقدوس	ساٹھ سالہ مکھی چوس
عظمت حمید باجوہ	شاہد	حاجی صاحب کا بیٹا
وحید اے رشید	ارشد	نواب محمد سلیم خان کا بیٹا۔ حاجی کا منشی
رشید عمر تھانوی	فتنہ	شاہد کا منہ چڑھا خدمت گار
آغا ضیاء اللہ خان	چھٹن خان	جو بیک وقت باورچی بھی ہے اور کوچوان بھی۔
فاروق قیصر	خان گل زمان خان	ایک سُود خور پٹھان۔
سید ابرار حسین زیدی	مرزا عبدالحمید	دراصل نواب محمد سلیم خان
مغیر یوسفی	عبدالباقر	تھانیدار
شمس الدین	واٹسن	عبدالباقر سراغرسان کا اسسٹنٹ
آغا خالد زبیر	پھوٹو	خدمت گار
نجیب شروانی	موٹو	خدمت گار
عذرا شروانی	بوا لطیفن	کٹنی
سیما صلاح الدین	جمیلہ	حاجی صاحب کی بیٹی
نبیلہ تبسم	کوکب	نواب محمد سلیم خان کی بیٹی

ہدایات : ڈاکٹر خالد سعید بٹ

سیٹ نمبر ۱ : حاجی عبدالقدوس کا ڈرائنگ روم

〃 〃 ۲ : باغ

پہلا ایکٹ

(حاجی صاحب کا ڈرائنگ روم۔ ارشد اور جمیلہ۔ جمیلہ درمیانے صوفے پر بیٹھی ٹکنگ کر رہی ہے۔ ارشد پچھلے دروازے کے پاس پڑی ایک میز پر کھڑا کیلنڈر دیکھ رہا ہے)

ارشد: اچھا۔ تو آٹھ تاریخ ہے آج۔

جمیلہ: جی نہیں۔ آج ستائیس تاریخ ہے۔

ارشد: ہائیں! (پھر کیلنڈر دیکھتا ہے) لاحول ولا قوۃ! یہ تو ۳۵ء کا کیلنڈر ہے۔ (قہقہہ لگاتا ہے) جمیلہ! یہ آج تم نے چُپ کیوں سادھ رکھی ہے؟ (میز پر سے اُتر کر جمیلہ کے پاس آتا ہے۔ وہ ٹکنگ رکھ چکی ہے۔) کیا میری محبت کے اقرار پر مجھ سے ناراض ہو؟

جمیلہ: نہیں یہ بات نہیں ارشد! میں کچھ اور سوچ رہی ہوں۔

ارشد: کیا؟

جمیلہ: میں ڈرتی ہوں ارشد! مجھے تم سے اتنی محبت نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ نہ جانے کیا ہو جائے۔

ارشد: تمہیں میری محبت میں ڈر کی کیا بات نظر آتی ہے؟

جمیلہ: ارشد! بہت سی باتیں ایسی ہیں جنھیں تم نہیں سمجھ سکتے۔ ابا جی کی ناراضگی۔ عزیزوں کے طعنے اور زمانے کا خوف۔ لیکن سب سے زیادہ تمہارے بدل جانے کا دھڑکا۔ مرد محبت میں ہمیشہ لاپروا ہو جاتے ہیں۔ کہیں ....

ارشد: مجھے غلط نہ سمجھو جمیلہ! میری محبت میرے آخری سانس تک قائم رہے گی۔ مجھ پر جو بھی شک کرو ٹھیک ہے۔ لیکن اس خیال کو اپنے قریب مت آنے دو کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دُونگا۔

جمیلہ: ہاں سب مرد یہی کہا کرتے ہیں لیکن اُن کے وعدے کبھی پُورے نہیں ہوتے!

ارشد: جمیلہ! اگر تم میرا دل دیکھنا چاہتی ہو تو مجھے موقع دو...... شک کے تیکھے تیروں سے مجھے چھلنی نہ کرو۔ مجھے اپنی محبت کا ثبوت دینے کے لئے وقت تو دو!

جمیلہ: (ہنس کر) محبت بھری باتوں پر بھی کتنی جلدی اعتبار آ جاتا ہے! نہیں ارشد! مجھے تمہاری

محبت اور وفا کا یقین ہے۔ میں نے کبھی تم پر شک نہیں کیا۔

ارشد: تو پھر یہ پریشانی کیسی؟

جمیلہ: کاش دنیا بھی تمھیں میری نظروں سے دیکھتی۔ پھر میرے لئے خوف کی کوئی بات نہ تھی۔ کاش دُنیا بھی یہ جانتی کہ تم نے اپنی جان پر کھیل کر مجھے طوفان سے بچایا۔ اپنے وطن کو چھوڑ کر مجھے یہاں لائے اور محبت کی خاطر نوکروں کے بھیس میں یہاں رہتے ہو۔ میں اِن باتوں کو کیسے بھُول سکتی ہُوں۔

ارشد: یہ سب ٹھیک ہے جمیلہ! لیکن میں تمھیں صرف اپنی محبت سے جیتنا چاہتا ہُوں۔ مصیبت تو یہ ہے کہ تمھارے والد صاحب سے میں شادی کی بات تک نہیں کر سکتا۔ ان کی حرکات، ازحد کنجوسی، اولاد سے بُرا سلوک! ایسے حالات میں بھلا کیا ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر میرے والدین کا پتہ چل جائے تو پھر یہ معاملہ طے ہو سکتا ہے۔ میں ان کی تلاش کر رہا ہوں۔ جلد ہی اُن کی کوئی نہ کوئی خبر ملنے کی اُمید ہے۔ اگر ایسا نہ ہُوا تو میں خود اُنھیں ڈھونڈنے جاؤں گا۔ میں اس کشمکش کو جلد از جلد ختم کرنا چاہتا ہُوں۔

جمیلہ: تم مجھے چھوڑ کر مت جانا ارشد! کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا باپ دولت کے لالچ میں آکر مُجھے کسی اور کے پلے باندھ دے۔

ارشد: تو پھر تم ہی کوئی حل بتاؤ۔

جمیلہ: ابا جی کے منظورِ نظر بنو۔ ان کی نظروں میں چڑھنے کی کوشش کرو۔

ارشد: تم خود جانتی ہو جمیلہ! میں کیا کچھ نہیں کرتا۔ دن رات ان کی خوشامد کرتا رہتا ہوں۔ ہر وقت ہمدردی کا نقاب اوڑھے رکھتا ہوں۔ یہ سب کچھ ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہی تو ہے! اور میرے خیال میں بات بن بھی رہی ہے۔ لوگوں کو رام کرنے کے لیئے خوشامد سے بہتر کوئی نسخہ نہیں۔ لیکن جمیلہ! کوئی کب تک خود کو اور دُوسروں کو دھوکا دیتا ہے۔ اب تو ہمت جواب دیتی نظر آ رہی ہے!

جمیلہ: نہیں ارشد ہمت نہ ہارو۔ میری خاطر کچھ دیر اور . . . . اچھا سنو! تم بھیّا کو رازدار کیوں نہیں بنا لیتے؟

ارشد: نہیں میں دونوں کا اعتماد حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ باپ بیٹے ایک دُوسرے سے اتنے مختلف ہیں کہ ان کا اعتماد ایک ساتھ حاصل کرنا کم از کم میرے لئے تو ناممکن ہے۔ تمُ خود بات کیوں نہیں کرتیں شاہد سے؟ (باہر شاہد کے گانے کی آواز آتی ہے" ہائے کس بُت کی محبت میں گرفتار ہُوئے") لو وُہ ادھر ہی آرہا ہے۔ آج اس نے پھر پی رکھی ہے۔ یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ میں چلتا ہُوں۔ اچھا؟ (چلا جاتا ہے)

جمیلہ: بات کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ لیکن خیر۔

(دُوسرا سین)

شاہد اور جمیلہ۔ شاہد نے کوٹ اُتار کر کاندھے پر رکھا ہے۔ کالر کھُلا ہے اور ٹائی بے ہنگم طور پر لٹک رہی ہے۔ آتے ہی کوٹ کرُسی پر پھینک دیتا ہے)

شاہد: کِس بُت کی محبت .... اے جمیلہ! تو یہاں بیٹھی ہے؟ سارے گھر میں ڈھونڈ ڈھونڈ کے پاگل ہوگیا ...... میں گرفتار ہُوئے .... تم سے ایک بات کرنی ہے۔

جمیلہ: جی ...... جی کہیئے!

شاہد: کیا؟ ایں؟ ...... کیا کہوں؟

جمیلہ: جو بات آپ کو کرنی ہے۔

شاہد: بات؟ ...... ہاں! مجھے محبت ہوگئی ہے۔

جمیلہ: کیا ہوگیا ہے آپ کو؟

شاہد: بہری ہو تم؟ محبت ہوگئی ہے مجھے تپدق نہیں، جو یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہو۔

جمیلہ: محبت تو ایک بیماری ہے بھیا۔

شاہد: ہاں۔ دل کی بیماری! (دِل پکڑ کر) ہم دِل کو پکڑ کر بیٹھ گئے۔ ہاتھوں سے کلیجہ تھام لیا۔ ہاتھوں سے .... (حاجی کی آواز ...... یہ کون گدھے کا بچہ قوالی کر رہا ہے ......) باپ رے باپ!

جمیلہ: بھیّا!

شاہد: تم چُپ رہو جی! محبّت ہوگئی ہے ہمیں .... لیکن آگے بڑھنے سے پہلے خود کو یہ یاد دلانا پڑتا ہے کہ میں اپنے باپ کے ٹکڑوں پر پڑا ہُوں اور اُس کی ہر بات پر مجھے سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ اس بڈھے کنجوس کو کون سمجھائے .... وُہ تو محبّت کو بھی دولت کے ترازو میں تولتا ہے .... مجھے اُس سے محبت ہے۔ میں اس کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہُوں۔ میرا مطلب اس لڑکی سے ہے اپنے باپ سے نہیں ...... باپ سے ہو ہی نہیں سکتی کبھی اُلفت مجھ کو ....

(حاجی کی آواز .... ان کمبختوں کو پتہ نہیں کہ اس طرح چیخنے سے دیواروں کا پلستر اُکھڑ جاتا ہے .... شاہد پھر اُونچا بولنے کی کوشش کرتا ہے۔ جمیلہ اس کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے) فی الحال تو محبت میرا پلستر اُکھاڑ رہی ہے!

جمیلہ: لیکن بھیّا وہ لڑکی ہے کیسی؟ کیا آپ نے اظہارِ محبت کر دیا؟

شاہد: دیکھو تم مجھے سمجھانے بجھانے کی کوشش نہ کرنا۔ مجھے راز دار چاہیئے لیگل ایڈوائزر نہیں اور اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنا!

جمیلہ: بھیّا آپ مجھے اتنا بے وقوف سمجھتے ہیں؟

شاہد: اونہوں .... قدرے کم۔

جمیلہ: اچھا کچھ کہئے تو سہی۔

شاہد: ارے میری ننھی جمیلہ! تو ان ریشمی زنجیروں کو نہیں سمجھ سکتی جو خُود اس دامِ خوشگوار کا اسیر نہ ہو وہ بھلا کیا جانے محبّت کس کو کہتے ہیں!

جمیلہ: بھیّا! یہ لمحہ تو ہر ایک کی زندگی میں آتا ہے۔ اگر میں آپ کو اپنا دِل کھول کر دکھاؤں تو.....

شاہد: ہائیں! یک نہ شد دوشد! مرض کچھ متعدی سا معلُوم ہوتا ہے۔

جمیلہ: مگر وُہ ہے کون بھیّا! کچھ اتا پتہ ......

شاہد: (آستین چڑھاتے ہُوئے اُٹھتا ہے۔) ایک نوعُمر لڑکی۔ ہماری ہمسائی ...... آہ! ...... آنکھیں اس کی کٹورا سی .... گال اس کے گلاب جیسے .... ہونٹ اس کے ...... (سر ٹھونک کر) اب تم بھی تو کچھ بتاؤ۔ میں کب تک بکتا رہُوں

گا؟ شاعر تو ہوں نہیں۔ تم خود جانتی ہو۔

جمیلہ: چچ چچ . . . . . . بہت بہک گئے ہیں میرے بھیا . . . . (چچ چچ)

شاہد: اچھا بکو مت اور کان کھول کر سُنو۔ وُہ ہمارے قریب ہی اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ رہتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے بنایا ہی اس لئے گیا ہے۔ کہ جو دیکھے مر مٹے۔ قدرت کی اس سے پیاری کوئی تخلیق نہیں۔ میں تو اُسے دیکھتے ہی مر مٹا۔ اس کا نام کوکب ہے۔ اس کی ہر ادا پُرکشش ہے۔ اس کی شگفتگی مسحور کُن اور اس کی حیا دل جیتنے والی ہے۔ کاش تم نے اُسے دیکھا ہوتا جمیلہ!

جمیلہ: آپ کے الفاظ نے تو اس کی تصویر کھینچ دی ہے۔

شاہد: اگرچہ وہ ماں بیٹیاں بڑی وضعداری سے رہتی ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ ان کے حالات کچھ اچھے نہیں۔ گزارہ بھی مشکل سے ہوتا ہے۔ ذرا سوچو تو۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اس باعزت خاندان کی دستگیری کی جائے۔ ہائے ان آباجی . . . . . . اُس بوڑھے باپ کی کنجوسی! اپنے محبت کے اظہار کی کوئی صُورت بھی تو بننے نہیں دیتی۔

جمیلہ: واقعی آپ کو اس کا بہت رنج ہوگا۔

شاہد: ارے کچھ نہ پوچھو جمیلہ . . . . مگر ان بزرگوار کو کون سمجھائے . . . . کنجوسی کی بھی حد ہوتی ہے۔ اس کے سوا اب چارہ نہیں کہ کسی طرح اس کو ساتھ لے کر کہیں بھاگ جاؤں۔ بھاگنے کے لئے رقم کی ضرورت ہے۔ سو قرض کا انتظام میں کر رہا ہوں۔ کہیں نہ کہیں سے مل ہی جائے گا . . . . . . اگر تم بھی ساتھ چلنے کا ارادہ رکھتی ہو تو تیار ہو جاؤ۔ اس گھر میں تو گھٹ کے مر جاؤ گی . . . . . . (حاجی کی آواز جو قریب تر ہوتی جاتی ہے . . . . . کمینہ . . . . . ناہنجار . . . . . منحوس) چلو باہر چلیں، ذرا ٹھہر کر اس بڈھے سے بات کریں گے۔ اس وقت تو پارہ چڑھا ہُوا معلوم ہوتا ہے۔ (دونوں بائیں دروازے سے باہر جاتے ہیں)

(تیسرا سین)

(حاجی اور فتنہ . . . . . حاجی صاحب، فتنہ کو کان سے پکڑے گالیاں

بکتے ہوئے پچھلے دروازے سے داخل ہوتا ہے۔)

حاجی: میری نظروں کے سامنے سے دُور ہو جا (دھکا دیتا ہے) بھاگ جا کمینے چور منحوس!

فتنہ: اس پیر فرتوت جیسا لُچّا اور منحوس بھی کوئی کیا ہوگا۔ بدبخت پر ابلیس نے اپنا سایہ ڈال رکھا ہے۔

حاجی: ٹھہر! تو یہ بڑبڑا کیوں رہا ہے؟

فتنہ: آپ مجھے یہاں سے نکال کیوں رہے ہیں؟ (کان ملتا ہے)

حاجی: کمینے کُتّے! میرے ساتھ بحث کرتا ہے؟ دفع ہو جا ورنہ سر توڑ دُوں گا۔

فتنہ: مگر میں نے آپ کا بگاڑا کیا ہے؟ مَیں تو آپ کے فرزند ارجمند یعنی اپنے آقا کا اِنتظار کر رہا تھا۔

حاجی: سڑک پر جا کر اِنتظار کر۔ میرے گھر میں نہیں۔ بدمعاش جاسُوس کہیں کا! میرے ہر کام کو اپنی منحوس آنکھوں سے تاڑتا ہے کہ جونہی موقع ملے، سب کچھ سمیٹ اُڑنچھو ہو جائے۔

فتنہ: آپ تو اپنی تمام چیزیں مقفل کر کے پہرا دیتے رہتے ہیں۔ کوئی آپ کی چیز اُڑا کیسے سکتا ہے۔ (ASIDE) مکھی چوس کہیں کا۔

حاجی: مَیں جو مناسب سمجھوں گا کروں گا۔ تو ہوتا کون ہے، ایسی باتیں کرنے والا۔ (ASIDE) میرا خیال ہے اس نے بھانپ لیا ہے کہ میری جمع جتھا کہاں ہے۔ اس کم بخت کی آنکھیں نہ نکال دیں۔ میں لے تو یہ بھی کیا یاد کرے گا .... کیوں بے! تو لوگوں کو بتانا چاہتا ہے کہ میں نے اس گھر میں روپیہ پیسا چھپا رکھا ہے؟

فتنہ: ہائیں! (سیٹی بجاتا ہے) اچھا! تو آپ اِسی گھر میں روپیہ پیسہ چھپائے بیٹھے ہیں؟

حاجی: اُچکے! یہ میں نے کب کہا۔ کب کہا میں نے؟ (ASIDE) میں پاگل ہو جاؤں گا! میرا دماغ پھٹ جائے گا! .... حرامخور! (فتنہ کی طرف غُصّے سے بھاگتے ہُوئے) کیا میرے پیسے کے مُتعلق تو اب افواہیں پھیلائے گا؟ ناہنجار!

فتنہ: میری بلا سے۔ خواہ آپ کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ ہو (ASIDE) خُدا کرے!

حاجی: باتونی طوطے! میری نظروں سے فوراً دُور ہو جا ورنہ مار مار کر الو کر دوں گا۔

فتنہ: آں! آں! بابا میں چلا۔ میں پہلے ہی بہت تنگ آچکا ہوں۔ ایسی بے تکلفیوں سے!

حاجی: لٹیرا! چور کہیں کا! پر ذرا ٹھہریو۔ اپنے ساتھ کچھ لے کے تو نہیں جا رہا؟

فتنہ: مَیں اپنے ساتھ بھلا کیا لے جاتا۔

حاجی: ادھر آ کر دکھا۔ اپنا ہاتھ دکھا۔

فتنہ: یہ لیجئے۔

حاجی: دُوسرا

فتنہ: یہ بھی لیجئے۔

حاجی: اور دکھا۔

فتنہ: (پاؤں کا جُوتا دکھاتے ہُوئے) یہ لیجئے۔

حاجی: ہُوں! تو تُو اس میں بھی کچھ چُھپاتا ہے! (پتلون ٹٹولتا ہے) چوری کی چیزیں رکھنے کے لئے اصل چیز تو یہ تھیلے ہیں۔ ایسا معیوب لباس پہننے والوں کو تو پھانسی دے دینی چاہیئے۔ (دوسرا پائنچہ ٹٹولتا ہے)

فتنہ: تفتیش مکمل فرمائیے۔ (حاجی پائنچہ ٹول رہا ہے۔ فتنہ آسمان کو مخاطب کرتا ہے) خُدا ہی بچائے اور سمجھے اس کھوسٹ سے . . . . . . کاش مجھے اِسے لوٹنے کا موقع میسر آسکے!

حاجی: ہائیں! یہ لُوٹنے کے متعلق تُو نے کیا کہا؟

فتنہ: حاجی صاحب کسی کو لُوٹ تو نہیں لیا مَیں نے، جو آپ اس طرح ہر وقت میری تلاشی لینے کے درپے رہتے ہیں۔

حاجی: (ٹٹولتے ہُوئے) ہر عقلمند کا کام احتیاط ہے۔

فتنہ: (حاجی کی طرف اشارہ کر کے) خُدا کی لعنت ان حریصوں پر اور ان کی حرص پر۔

حاجی: ہائیں! یہ حریصوں اور حرص کے مُتعلق کیا کہا تُو نے؟

فتنہ: میں نے کہا کہ حریصوں اور انکی حرص پر لعنت ہو۔
حاجی: اشارہ کس کی جانب ہے ؟
فتنہ: لالچیوں کی طرف !
حاجی: لالچی کون ہوتے ہیں ؟
فتنہ: بدمعاش اور شہدے !
حاجی: مطلب تیرا ؟ اس سے مُراد کیا ؟
فتنہ: حاجی عبدالقدُوس !
حاجی: نابکار ! ٹھہر جا تیری خبر لیتا ہُوں ! (چھڑی لے کر اُس کے پیچھے دوڑتا ہے)
فتنہ: (چھڑی پکڑتے ہُوئے) آپ آخر کس چیز کی فکر میں ہیں ؟ کیا کرنا چاہتے ہیں ؟
حاجی: میں وُہ کرنا چاہتا ہوں، جو میرا خیال ہے مجھے کرنا چاہیئے۔
فتنہ: آپ کا خیال ہے . . . . . .
حاجی: جو میرا خیال ہے وُہ میرا خیال ہے ! تجھے معلُوم ہے تو بات کس سے کر رہا ہے ؟
فتنہ: مَیں . . . . . . اپنی کوشش کے باوجُود . . . . مَیں اپنی ٹوپی سے بات کر رہا ہوں۔
حاجی: میں اس کی بھی خبر لئے لیتا ہُوں . . . . کمینے ! حرام مغز کی پردہ پوش !
فتنہ: حاجی صاحب ! آپ مجھے کنجُوسوں کی بُرائی کرنے سے روکنا چاہتے ہیں ؟
حاجی: میں تجھے بکواس اور بدتمیزی سے روکنا چاہتا ہُوں۔
فتنہ: میں نے کسی کا سر تو نہیں پھوڑا ۔
حاجی: اب تو نے بات بھی کی تو تیرا سر میں ضرور پھوڑ دُوں گا ۔
فتنہ: (دروازے پر پہنچتے ہُوئے) اگر یہ ٹوپی آپ کو پُوری آتی ہو تو رکھ لیجئے ۔
حاجی: (دانت پیستے ہُوئے) تو چپ نہیں ہو گا ؟
فتنہ: جی تو نہیں مانتا . . . . یہ ایک اور جیب ہے . . . . اب تو مطمئن ہو گئے ؟ تسلی ہو گئی حضُور ؟

*

حاجی: اور کچھ کہے بغیر جو کچھ تو نے اٹھایا ہے رکھ دے یہاں!

فتنہ: میں نے آپ کی کوئی چیز نہیں لی۔

حاجی: سچ کہہ رہا ہے؟

فتنہ: نوّے فی صدی!

حاجی: دفع ہو جا یہاں سے!

فتنہ: (اپنی مٹھی سے روپیہ نکال کر اچھالتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (ASIDE) کم بخت کے پاس نکلا ہی یہی! (حاجی مڑتا ہے تو فتنہ غائب ہے۔)

چوتھا سین

(حاجی عبدالقدوس)

حاجی: توبہ توبہ! گھر میں رقم کا ہونا بھی قیامت ہے۔ جب تک یہ نمک حرام گھر میں ہے میری پونجی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کا تمام روپیہ تجارت میں لگا ہے گھر میں تو کوئی کونہ بھی محفوظ نہیں۔ اِن صندوقوں پر مجھے اعتبار نہیں۔ گھر میں صندوق رکھنا ہی چوروں کو دعوت دینا ہے۔ ویسے تو میں نے اپنی تمام پونجی کے سیونگ سرٹیفکیٹ خرید رکھے ہیں لیکن نقد روپیہ بھی ان کے ساتھ ہی باغ میں گاڑ کر جانے اچھا کیا ہے یا بُرا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (دروازہ کھلتا ہے اور فتنہ جو صوفے کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا، باہر بھاگ جاتا ہے)

پانچواں سین

(حاجی عبدالقدوس۔ شاہد۔ جمیلہ)

حاجی: او خدایا میں نے تو اپنا بھانڈا ہی پھوڑ دیا! پریشانی نے حواس غائب کر رکھے ہیں۔ نہ جانے کیا کیا بک گیا ہوں۔ یقیناً انھوں نے میری آواز سن لی ہوگی! (شاہد اور جمیلہ سی جواب کرے میں آئے ہیں) کیا چاہیئے تمھیں؟

شاہد: جی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کچھ نہیں!

حاجی: کتنی دیر سے ہو یہاں؟

جمیلہ: ابھی ابھی آئے ہیں۔
حاجی: تو تُم نے سُن لیا؟
شاہد: کیا ابا جی؟
حاجی: جانتے بوجھتے ہُوئے انجان بنتے ہو؟
شاہد: کیا جانتے بوجھتے ہُوئے؟
حاجی: جو مَیں نے ابھی کہا تھا۔
شاہد: ہم نے تو کچھ بھی نہیں سُنا۔ (ASIDE TO JAMILA) معلُوم ہوتا ہے دال میں کچھ کالا ہے۔ کاش ہم نے سُنا ہوتا!
جمیلہ: ہم نے تو ایک لفظ نہیں سُنا ابا جان۔
حاجی: یقین نہیں آتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر دراصل اپنے آپ سے بات کر رہا تھا کہ آج کل روپیہ حاصل کرنا کتنا مشکل ہے اور یہ کہ جس کے پاس دس ہزار روپے ہوں، وہ کتنا خوش نصیب ہے!
شاہد: چھوڑیئے ان باتوں کو، ہمیں ان سے کیا غرض (ASIDE) خواہ آپ کے پاس دس ہزار کی بجائے بیس ہزار روپے ہوں یا پھُوٹی کوڑی بھی نہ ہو۔
حاجی: یہ مَیں اس لیئے بتا رہا ہُوں کہ تم کہیں اس غلط فہمی میں مُبتلا نہ ہو جاؤ کہ میرے پاس دس ہزار رُوپے ہیں۔
شاہد: مگر آپ کے معاملات سے ہمیں کیا؟
حاجی: پروردگار! کاش میرے پاس دس ہزار روپے ہوتے! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
شاہد: مجھے یقین ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
حاجی: وارے نیارے ہو جاتے!
شاہد: اوہ! دراصل یہ چیزیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
حاجی: اور پھر ضرورت مند بھی مجھ سا!
شاہد: میرا خیال ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (جمیلہ کو دماغ خراب ہونے کا اشارہ کرتا ہے)

حاجی: دن پھر جاتے!

شاہد: مگر ابا جان . . . .

حاجی: پھر تو میں بھول کر بھی تنگ دستی کی بات نہ کرتا۔

شاہد: لیکن ابا جان آپ شکایت کاہے کی کر رہے ہیں؟ (تیزی سے) ساری دُنیا جانتی ہے، کہ آپ کی آمدنی بے حد معقول ہے۔

حاجی: کیا! کیا؟ میری آمدنی معقول ہے؟ جو کہتا ہے بکتا ہے، جھک مارتا ہے، میں تو پائی پائی کو ترس رہا ہوں

جمیلہ: تو اس میں بگڑنے کی کیا بات؟

حاجی: اچھا! بگڑنے کی کوئی بات ہی نہیں! یعنی میری اولاد ہی میری دشمن بن جائے اور میں بگڑوں تک نہیں؟

شاہد: یہ کہنا کہ آپ کی آمدنی معقول ہے دشمنی ہے کیا؟

حاجی: ارے آمدنی کے ساتھ یہ بھی تو کہو کہ تم نے مجھ پر خرچ کتنا ڈال رکھا ہے؟ اور ستم بالائے ستم یہ باتیں ہیں (چڑ کر) جیسے گھر سونے سے بھرا پڑا ہے۔ میں کہتا ہوں کسی دن میرا گلا کٹوا کر تمھیں چین پڑے گا۔

شاہد: لیکن ابا جان! میں نے کون سا خرچ ڈال رکھا ہے آپ پر؟

حاجی: بس تمھاری یہی باتیں مجھے زہر معلوم ہوتی ہیں۔ ابھی کل ہی میں نے جمیلہ کی مرمت کی تھی اب تم بھی حد سے گزر چلے ہو! کچھ پتہ ہے یہ سُوٹ جو تم نے پہن رکھا ہے۔ اگر اس کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے تو کتنی بڑی رقم نکلے گی؟ سوچتا ہوں تو سر چکرا جاتا ہے۔ . . . . . . ارے نوابوں کی طرح رہتا ہے اور جو لباس پہنتا ہے وہ میرا دیوالہ نکالے دے رہا ہے . . . . دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے مجھے، دونوں ہاتھوں سے!

شاہد: لیکن ابا جان! میں آپ کو کیسے لوٹ سکتا ہوں؟ پھوٹی کوڑی تو کنجوسی کے مارے نکالتے نہیں آپ!

حاجی: تو یہ ٹھاٹھ باٹھ کہاں سے ہو رہے ہیں حضور کے؟

شاہد: ریس کھیلتا ہوں۔ قسمت ساتھ دیتی ہے۔ جو کچھ جیتتا ہوں، خود پہ خرچ کر دیتا ہوں۔ آپ پر پڑا رہوں تو چیتھڑوں کو محتاج ہو جاؤں۔

حاجی: سچ مچ! .... شاباش بیٹے شاباش! مرحبا! خوش قسمت ہو .... بیٹے جیتے ہوئے پیسے سے فائدہ اٹھایا کرو .... رقم سود پہ دیا کرو مصیبت کے دنوں کے لئے روپیہ جمع ہوتا رہے گا ...... یہ جو تم سر سے پاؤں تک بانکے مور کی طرح سجے رہتے ہو اس سے کیا فائدہ؟ یعنی جن کے بال اتنے خوب صورت ہوں انھیں طرح طرح کے فیلٹ پہننے کی ضرورت؟ ...... اگر ان سب چیزوں کو بیچ کر ان کے دام سود پر نہ دے دیئے جائیں تو ساون روپے ماہانہ پیسے سے کم یافت نہ ہو!

شاہد: جی شکریہ! بجا فرمایا آپ نے (ASIDE TO JAMILA) چلو جمیلہ چلیں۔ یہ بڈھا تو سمجھنے سے رہا

حاجی: (ASIDE) یہ ایک دوسرے کو کیا اشارہ کر رہے ہیں؟ .... ایں! ان اشاروں کا مطلب؟

شاہد: ہم آپ سے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ فیصلہ کر رہے تھے کہ کون پہلے بات کرے۔

حاجی: میں بھی تم لوگوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

شاہد: لیکن ہم آپ سے پیسے کی نہیں شادی کی بات کرنے کے لئے آئے ہیں۔

حاجی: مجھے بھی تم سے شادی ہی کی بات کرنا ہے۔

جمیلہ: ہائیں ابا جان!

حاجی: ایں! تم ڈر کیوں گئیں؟

شاہد: آپ کے منہ سے شادی کا ذکر .... شادی .... یعنی شادی کا ذکر سنتے ہی ہم دونوں کے حواس گم ہو جاتے ہیں .... مجھے یقین ہے کہ ہماری اور آپ کی پسند کبھی ایک سی نہیں ہو سکتی۔

حاجی : بیہودہ! بیہودہ بکواس! سراسر بیہودہ بکواس! مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے کہ تم لوگوں کے لیئے اچھا کیا ہے اور بُرا کیا ہے . . . . . میرے بچو! میں جو بھی کروں گا تمھارے بھلے کے لئے کروں گا . . . . اچھا شاہد! بتاؤ تم نے یہ لڑکی دیکھی ہے ہماری نئی پڑوسن؟

شاہد : (بے تابی سے) جی ہاں . . . . . جی ہاں!

حاجی : اور تم نے؟

جمیلہ : جی ابّا جان۔

حاجی : تو میرے بیٹے وہ لڑکی تمھیں کیسی لگتی ہے؟

شاہد : بہت اچھی ابّا جان۔

حاجی : خوب صُورت ہے۔

شاہد : جی ہاں ابّا جان بے حد جاذبِ نظر . . . . . . حسُن کا مجسّمہ!

حاجی : شکل صُورت سے تو خاصی ذہین معلوم ہوتی ہے۔

شاہد : جی ہاں۔ اور اس کے انداز اور آداب بھی قابل پرستش ہیں!

حاجی : تو تمھارا کیا خیال ہے؟ یعنی ایسی لڑکی سے شادی کے متعلق سوچنے میں۔

شاہد : میں آپ کو کیسے بتاؤں . . . . . . آپ کی پسند . . . .

حاجی : اچھا جوڑا رہے گا نا؟

شاہد : یقیناً

حاجی : گویا اس میں ایک اچھی بیوی کی تمام خصُوصیات موجُود ہیں؟

شاہد : بلا شک و شبہ!

حاجی : گزر ٹھیک ہو جائے گی؟

شاہد : کیوں نہیں!

حاجی : لیکن ایک بات ہے . . . . . . غریب بہت ہیں وُہ!

شاہد : ابّا جان محبت میں دولت کو بھول جانا چاہیئے۔

حاجی : ہاں دولت حاصل کرنے کے تو اور بھی طریقے ہیں!

شاہد : مگر ایسی حسینہ کو حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے ...... محبّت !

حاجی : یعنی تم بھی میرے ہم رائے ہو۔ خوب ! بہت خوب !

شاہد : اس معاملے میں بھلا آپ کو کون ٹوک سکتا ہے ۔ آہ محبّت کتنی حسین ہوتی ہے !

حاجی : اچھا تو میں نے فیصلہ کر لیا۔

شاہد : شادی کا !

حاجی : ہاں۔ میں اس سے شادی کئے لیتا ہوں۔

شاہد : ہائیں ! آپ !! آپ !!!

حاجی : ہاں مَیں ! مَیں ! میں !

شاہد : (ٹائی کھینچ کر) آہ میرا جسم سُن ہو رہا ہے ۔ میرا خون جما جا رہا ہے ۔ میں بے ہوش ہو جاؤں گا .... پاگل ہو جاؤں گا .... مر جاؤں گا ..... مَیں ..... (سر پہ ہاتھ رکھ کر بھاگ جاتا ہے۔

حاجی : باورچی خانے میں جا کر ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس پی لو۔ آج کل کے نوجوانوں میں چوزوں جتنی طاقت بھی تو نہیں ہوتی !

چھٹا سین

(حاجی عبدالقدوس ، جمیلہ)

حاجی : ..... تمھارے بھائی کے لئے ایک امیر بیوہ میری نظر میں ہے ۔ باقی تم اپنی شادی مرزا حمید سے طے سمجھو۔

جمیلہ : مرزا حمید سے !

حاجی : ہاں ! اُس کی عمر تو پچاس سے کم نہیں ۔لیکن جائداد خاطر خواہ ہے۔

جمیلہ : میں اُس سے ہرگز شادی نہیں کروں گی ۔

حاجی : تمہاری شادی اُسی سے ہوگی !

جمیلہ : شادی میری ہو رہی ہے ، آپ کی نہیں ، جہاں چاہوں گی وہاں ہوگی۔

حاجی: جہاں میں چاہوں گا وہاں ہوگی!

جمیلہ: معاف کیجئے گا ابّا جان!

حاجی: معاف کرنا بیٹی!

جمیلہ: میں مرزا حمید کی بے حد عزت کرتی ہوں لیکن آپ کے ارشاد کے باوجود ان سے ہرگز شادی نہیں کرسکتی۔

حاجی: اور واضح رہے کہ تمھارے ارشاد کے باوجود تمھاری شادی اسی سے ہوگی اور اسی ہفتے میں!

جمیلہ: اِسی ہفتے میں!

حاجی: ہاں اسی ہفتے میں!

جمیلہ: ایسا نہیں ہوسکتا ابّا جان!

حاجی: ایسا ہی ہوگا میری بیٹی!

جمیلہ: نہیں!

حاجی: ہاں!

جمیلہ: میں کہتی ہُوں ایسا ہرگز نہیں ہوگا!

حاجی: اور میں کہتا ہوں کہ بے شک ایسا ہی ہوگا!

جمیلہ: آپ مجھ سے ایسی زبردستی نہیں کرسکتے!

حاجی: واضح رہے کہ میں ایسی زبردستی کرسکتا ہُوں!

جمیلہ: ایسی شادی سے تو بہتر ہے کہ میں خودکشی کرلوں . . . .

حاجی: ایسی خودکشی سے تو بہتر ہے کہ تم شادی کرلو . . . . . . ماشاء اللہ! کسی لڑکی نے اپنے باپ سے کبھی یوں کلام نہ کیا ہوگا!

جمیلہ: اور کسی باپ نے بھی اپنی لڑکی کی شادی ایسی سنگدلی سے طے نہ کی ہوگی!

حاجی: اس انتخاب کے خلاف کوئی ایک لفظ نہیں کہہ سکتا۔ میں شرط لگاتا ہُوں کہ جو سُنے گا اس کی داد دے گا۔

جمیلہ : اور میں شرط لگاتی ہوں کہ صرف وحشی اور بے وقوف لوگ آپ کے انتخاب کے حق میں بات کریں گے !

حاجی : لو ارشد آگیا . . . .

ساتواں سین

(حاجی عبدالقدوس، جمیلہ، ارشد)

. . . . . اسی سے فیصلہ کرائے لیتے ہیں۔

جمیلہ : مجھے منظور ہے۔

حاجی : تم اس کا فیصلہ مان لو گی ؟

جمیلہ : بے شک !

حاجی : تو چلو یونہی سہی (ASIDE) اسے معلوم ہے کہ میں نے نہ کبھی کوئی غلط بات کی ہے اور نہ کبھی کوئی غلط کام کیا ہے . . . . ادھر آؤ ارشد ! ہم تم سے فیصلہ کروانا چاہتے ہیں کہ میں صحیح ہوں یا میری بیٹی۔

ارشد : یقیناً آپ !

حاجی : معلوم بھی ہے کہ ہم بات کیا کر رہے تھے۔

ارشد : نہیں۔ لیکن آپ کبھی غلطی پہ ہو ہی نہیں سکتے۔

حاجی : میں آج شام اس کی شادی ایک ایسے شخص سے کرنا چاہتا ہوں جو دولت مند بھی ہے اور عقلمند بھی لیکن یہ ہے کہ مانتی ہی نہیں اور اس پہ لعنتیں بھیجتی ہے۔ تمھارا کیا فیصلہ ہے ؟

ارشد : میرا کیا فیصلہ ہے ؟

حاجی : ہاں !

ارشد : آہم !

حاجی : کیا ؟

ارشد : دراصل میری رائے تو وہی ہے جو آپ کی ہے۔ کیونکہ آپ کبھی غلطی نہیں کر سکتے لیکن

اس خاص معاملے میں غلطی پر یہ بھی معلوم نہیں ہوتیں ۔

حاجی : کیا کہا ؟ مرزا حمید نہایت عمدہ انتخاب ہے۔ وہ بڑا پُروقار' باعزت اور سلجھا ہوا آدمی ہے ۔ بڑی بھاری جائیداد ہے اور پھر اس کی پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہیں۔ اس سے بہتر اور کیا ہوگا۔

ارشد : ٹھیک ہے ۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ آپ جلد بازی سے کام لے رہے ہوں اور پھر ان کی طبیعت تو دیکھنا چاہیئے کہ اس طرف مائل ہوتی ہے یا نہیں ۔

حاجی : ارے لعنت ہے ایسی طبیعت پر۔ وہ بغیر جہیز کے شادی کرنے کو تیار ہے ۔

ارشد : بغیر جہیز کے ؟

حاجی : ہاں یہی تو نکتہ ہے اس میں !

ارشد : پھر تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ یہ واقعی بڑی معقول وجہ ہے ماننے بغیر چارہ نہیں۔

حاجی : یعنی خیال تو کرو مجھے بچت کتنی رہے گی !

ارشد : یقیناً اس میں اعتراض کی گنجائش نہیں ۔ لیکن ہو سکتا ہے یہ نہ مانیں ۔ معاملہ بہت سنجیدہ ہے ۔ ساری زندگی کا معاملہ ہے ۔ ظاہر ہے کچھ نہ کچھ سوچ بچار کرنا ہی پڑے گی ۔

حاجی : اور پھر بغیر جہیز کے . . . .

ارشد : لڑکی کی رائے اِن معاملات میں ضروری ہوتی ہے ۔ عُمر کا طبیعت کا فرق، شادی کو خانہ بربادی بھی بنا سکتا ہے ۔

حاجی : یعنی بغیر جہیز دینے کے . . . .

ارشد : اس کا تو کوئی جواب نہیں، لیکن آخر زندگی کی اہمیت کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے جو صرف محبت ہی کے بل بوتے پر خوشگوار رہ سکتی ہے ۔

حاجی : ذرا غور کرو ارشد ! بالکل بغیر جہیز دینے کے !

ارشد : جی ہاں ! جی ہاں ! بالکل یہ فقرہ "بغیر جہیز کے" بحث کو بالکل ختم کر دیتا ہے ۔

حاجی: (باہر مدھم سا شور ہوتا ہے . . . .) ہائیں ! یہ کیا؟ ضرور کوئی میری دولت ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہے . . . . یہاں سے ہلنا نہیں۔ ابھی آتا ہوں۔

آٹھواں سین (ارشد اور جمیلہ)

جمیلہ: (برس پڑتی ہے) یہ تم نے کیا مذاق بنا رکھا ہے ؟ خدا کے لئے سنجیدگی سے کام لو۔ ان کا دماغ تو پہلے ہی بے کار ہو چکا ہے اور اب تم جلتی پر تیل کا کام کر رہے ہو۔

ارشد: میں ان کی مخالفت کر کے اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔ ان کی مخالفت سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دے گی۔ کئی طبیعتیں الٹے طریقے سے قابو میں آتی ہیں۔ ان کے سامنے سچ بولنا گناہ ہے۔ اُلٹے راستے چلاؤ تو سیدھے راستے چلتے ہیں۔

جمیلہ: لیکن یہ شادی ارشد !

ارشد: اسے توڑنے کا بھی کوئی بہانہ ڈھونڈھ لیں گے۔

جمیلہ: لیکن بہانہ کیسا ؟ ابھی انھوں نے کہا کہ شادی آج ہو رہی ہے۔

ارشد: ارے نہیں !

جمیلہ: ہاں ہاں ! تم نے سُنا نہیں ؟

ارشد: ہوں ! یہ تو واقعی ستم ہے . . . . . . اچھا دیکھو ! تم بیمار کیوں نہ بن جاؤ ؟ خود بخود بلا ٹل جائے گی۔

جمیلہ: اور اگر ڈاکٹر بُلا لیا گیا تو ؟ بھید کھُل نہ جائے گا ؟

ارشد: تم نے مذاق کرنا شروع کر دیا ہے جمیلہ ! ارے بابا اوّل تو ڈاکٹر کو بُلائے گا کون ؟ اور اگر وہ آ بھی گیا تو اُسے کیا پتہ چلے گا کہ یہ سب بہانہ بازی ہے۔ فیس کی خاطر کوئی نہ کوئی وجہ نکال ہی لے گا . . . . اس کے بعد بھی اگر کچھ بن نہ پڑا تو . . . . . .

نواں سین (ارشد، جمیلہ، حاجی عبدالقدوس)

. . . . پھر ایک ہی چارہ ہے ایک ہی راستہ ہے !

حاجی: (اندر آتے ہوئے) شکر ہے خدا کا کوئی نہیں تھا۔ میرا تو دم ہوا ہوا جا رہا تھا۔

ارشد : (حاجی کی موجودگی سے بے خبر بولے جاتا ہے) اور وُہ یہ کہ ہم تم بھاگ چلیں. جمیلہ! اگر تمھاری محبت میں اتنی طاقت ہے تو آؤ میرا ہاتھ پکڑ لو۔

جمیلہ : ارشد! (حاجی کو دیکھ کر ارشد کی پسلیوں میں زور سے کہنی مارتی ہے)

ارشد : (بلند آواز سے) ہاں ایک لڑکی کو اپنے باپ کا ہر حکم ہر حالت میں ماننا چاہیئے۔ ایک لڑکی کے لئے یہ سوچنا کہ اُس کے ہونے والا شوہر کیسا ہو گا، گناہِ کبیرہ ہے اور پھر جب شادی بغیر جہیز کے ہو رہی ہو تو اُسے بلا پس و پیش ہاں کر دینا چاہیئے۔

حاجی : واہ واہ! ماشاءاللہ! کیا بات کی ہے! بہت خُوب!

ارشد : معاف کیجئے گا میں ذرا سختی سے بول رہا تھا۔ لیکن آپ جانتے ہیں بات ہی کچھ ایسی تھی۔

حاجی : اونہوں۔ بالکل نہیں۔ بالکل نہیں۔ قطعاً نہیں۔ ہرگز نہیں! میں تو بُہت خوش ہوں. کہ تم اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رہے ہو۔

ارشد : (جمیلہ سے) اب مجھے روکیں اگر ہمت ہے تو . . . . (حاجی سے) تو جناب میں انھیں ساتھ لے جا کر سبق جاری رکھ سکتا ہُوں؟

حاجی : یقیناً یقیناً! میں تمھارا بُہت شکر گزار ہوں گا۔

ارشد : ان پہ کڑی نگرانی ہونی چاہیئے۔

حاجی : بے شک. بے شک!

ارشد : بس ایک چھوٹی سی درخواست ہے . . . . . . وہ یہ کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کی شادی آج نہ کی جائے۔ ایک آدھ دن میں یہ خُود ہی سمجھ جائیں گی . . . . آپ خود کو تکلیف نہ دیں. بالآخر فتح میری ہی ہوگی۔

حاجی : اچھا . . . . . جیسی تمھاری مرضی . . . . . . تو مَیں ذرا شہر جا رہا ہُوں. جلد ہی لوٹ آؤں گا. تم اسے سمجھا بجھا رکھنا۔

ارشد : آپ مطمئن رہیئے . . . . . . ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ پیسہ ہر چیز سے اہم ہے . . . . . . محبت سے . . . . . شرافت سے . . . . . عزت سے۔ یہاں تک کہ خُدا

سے بھی۔ بلکہ اگر یوں کہہ لیا جائے کہ پیسہ خدا ہے۔ تو کچھ بعید نہ ہوگا۔ آپ کو شکر کرنا چاہیئے کہ آپ کو ایسا عمدہ باپ ملا ہے جو زندگی کے تمام نشیب و فراز جانتا ہے۔ ...... اور جب کوئی شخص بغیر جہیز کے شادی کی پیش کش کرے تو انکار کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ کو بلا تامل مان لینا چاہیئے" بغیر جہیز کے" واہ واہ! یہ بات تو سب چیزوں سے بہتر ہے۔ حسن سے، جوانی سے، خاندان، عزت، عقل اور ایمان داری سب سے افضل ...... جی ہاں!

حاجی : آہا ہا! کیا آدمی ہے! بات تو یوں کرتا ہے کہ بڑے سے بڑا مقرر بھی ناز کرے اس پر ...... کتنا خوش نصیب ہوں میں کہ ایسا مددگار مل گیا!

پہلا ایکٹ ختم ہوا

دُوسرا ایکٹ

پہلا سین :

(شاہد، فتنہ   شاہد ڈرائنگ روم میں صوفے پر دراز ہے۔ فتنہ اندر داخل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا کاغذ ہے۔ جسے وہ مدبروں کی طرح ایک کونے سے پکڑے ہُوئے ہے)

شاہد : کہاں مرگیا تھا ؟ مَیں نے تجھے یہاں انتظار کرنے کو کہا تھا اور تُو . . . . .

فتنہ : میرے آقا میں یہاں آپ کا انتظار کرنے آیا تھا۔ لیکن حضور کے والد بزرگوار نے یوں ڈانٹ ڈپٹ کر نکال دیا کہ شُکر کرتا ہُوں سرِ عزیز تو سلامت ہے۔

شاہد : عجیب باپ سے پالا پڑا ہے . . . . خیر بتا ہمارا کام کیا ہو رہا ہے ؟ برخودار دیکھ ضرورت بڑی شدید ہو چکی ہے . . . . . . بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے والد صاحب قبلہ بھی اسی لڑکی سے عشق فرما رہے ہیں اور عنقریب وہیں شادی کا اِرادہ رکھتے ہیں' جہاں میرا اِرادہ ہے۔

فتنہ : ہائیں ! یعنی . . . . . . یعنی وہ بھی اُسی کے عشق میں مُبتلا ہیں ؟

شاہد : جی ہاں ! وہ تو نا معلوم کس طرح میں نے یہ راز چھپا رکھا ہے' ورنہ جب سے انکی نیت کا انکشاف ہُوا ہے میرے تو رونگٹے کھڑے ہیں . . . . . . یعنی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ مستقبل میں وہ نازنین میری بیوی بنے گی یا اماں جان ؟

فتنہ : مگر انھیں اس راہ پر ڈالا کس نے ؟ ان کا محبت سے کیا تعلُّق ؟

شاہد : بس فتنے کچھ نہ پُوچھو۔ نجانے کن گناہوں کی سزا مل رہی ہے مجھے . . . . . لاحول ولاقوۃ

فتنہ : مگر آپ اپنی محبت چھپاتے کیوں ہیں ؟

شاہد : کیوں ؟ . . . . . ارے کم بخت اگر انھیں میری محبت کے متعلق شبہ بھی گزرے تو آج ہی اس سے شادی طے کر لیں ! خیریت اسی میں ہے کہ فی الحال یہ راز ہی رہے

. . . . . اچھا تو نے کیا کیا اس کام کا ؟

فتنہ : آقا ! ایک بات یاد رکھیئے۔ سوچ سمجھ کر قدم اُٹھائیے۔ قرض لینے والے ہمیشہ خسارے میں رہتے ہیں۔

شاہد : تو پھر کیا کیا جائے ؟ خُدا کے لئے کوئی راہ نکال ! میری تو حالت غیر ہو رہی ہے !

فتنہ : حضُور ! خان گل زمان صرف آپ کی خاطر تگ و دو کر رہا ہے کہ جلد از جلد کچھ روپے کا انتظام ہو جائے۔

شاہد : تو روپیہ ملنے کی اُمید رکھوں ؟

فتنہ : ہاں کچھ شرطوں پر جو پُوری کرنا از حد ضروری ہے ورنہ (ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے)

شاہد : تو گل زمان نے تیری ملاقات اس بنیئے سے کرا دی ؟

فتنہ : اوہو ! یہ معاملے یوں طے نہیں ہُوا کرتے۔ آپ کی طرح فی الحال وہ بنیا بھی پس منظر ہی میں رہنا چاہتا ہے۔ گل زمان نے تو ہمیں اس کا نام تک نہیں بتایا۔ لیکن آج شام وہ اپنے مکان میں آپ کی ملاقات اس بنیئے سے کرا دے گا۔ تاکہ وہ آپ کی آمدنی کے ذرائع سے خاطر خواہ واقفیت حاصل کر سکے۔ . . . . جہاں تک میرا خیال ہے وہ آپ کے والدِ بزرگوار کا نام سُن کر آپ کو بڑی سے بڑی رقم دینے پر آمادہ ہو جائے گا۔

شاہد : مگر امی جان کے اِنتقال کے بعد میرے نام بھی تو کافی جائیداد ہے۔ پھر ابّا جان کا نام بتانے کی ضرورت ؟

فتنہ : خیر یہ چند شرائط ہیں . . . . آپ انھیں سُن لیجئے اور خود ہی فیصلہ کر لیجئے . . . . . . اگر قرض دینے والے نے تمام ضمانتوں کو معتبر سمجھا . . . . . . قرض خواہ بالغ نکلا . . . . اس کی جائیداد کافی . . . . آزاد . . . . . . اور ہر قسم کی بندشش سے پاک ہُوئی . . . . تو دو معتبر گواہوں کی موجودگی میں قرض نامہ لکھا جائے گا . . . . گواہ قرض دینے والا خُود منتخب کرے گا۔ کیونکہ اس سلسلے میں وہ گمنام رہنا بے حد ضروری سمجھتا ہے۔"

شاہد : مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

فتنہ : نیز ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " اپنے ضمیر کو ہر قسم کے بوجھ سے آزاد رکھنے کے لئے قرض دینے والا اپنی رقم پر محض ۵½ فیصدی سُود لے گا۔"

شاہد : ۵½ فیصدی ؟ اچھی بات ہے مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ۔ ۵½ فیصدی۔

فتنہ : لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " چونکہ مذکورہ بالا قرض دینے والے کے پاس مطلوبہ رقم اس وقت موجود نہیں اور قرض لینے والے کو ممنون کرنے کے لئے یہی رقم کسی اور سے ۲۰٪ سُود پر لی جائے گی ۔ لہذا قرض دینے والے کو بغیر کسی حیل وحجت کے ۲۵½ فیصدی سُود دینا ہوگا۔"

شاہد : لعنت اللہ ! یہ کون یہودی کا بچہ ہے ؟ یہ تو کنجوسی میں میرے باپ کا بھی باپ نکلا !

فتنہ : جی ۔ اسی لیئے تو میں عرض کر رہا ہُوں کہ اس معاملے پر غور کی ضرورت ہے ۔

شاہد : غور کیا خاک کروں ؟ پیسے کی ضرورت ہے ۔ ہر شرط ماننا پڑے گی ۔

فتنہ : یہی جواب میں نے اُسے دیا تھا ۔

شاہد : اچھا کوئی اور شرط ؟

فتنہ : بس ایک چھوٹی سی شرط اور ہے :

" مطلوبہ رقم میں سے صرف بارہ ہزار رُوپے نقد دیئے جائیں گے ۔ باقی تین ہزار کی مالیت کے کپڑے ، زیورات اور دیگر سامان لینا پڑے گا جو کہ مندرجہ ذیل ہے اور قرض لینے والے کی خاطر اس کی قیمت کم لگائی گئی ہے۔"

شاہد : لاحول ولا قوۃ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ کیا بکواس ہے ؟

فتنہ : آپ سُن تو لیجئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ چیزیں یہ ہیں :۔

۱ : دو نئے لحاف اور ایک تکیے کی ٹونٹی

۲ : ایک مسہری دار پلنگ جس پر رنگدار کپڑا چڑھا ہے ۔ اس سے ملتی ہُوئی چھ کرسیاں اور ایک الماری ۔ تمام اشیاء نہایت عمدہ حالت میں ہیں ۔

۳ : نیلے رنگ کی ایک ریشمی شلوار

شاہد : ہائیں ! . . . . . میں اسے پہن کر ناچا کروں گا کیا ؟ الّو بند کر اس بکواس کو !

فتنہ : ذرا ٹھہریئے :

۴ : ایک نہایت خوبصورت تصویر سنہرے فریم میں گورو گوبند سنگھ کی !

۵ : تانگے کے گھوڑے کا ایک عدد ساز ۔

شاہد : اُف خدایا ! میں کیا کروں ؟

فتنہ : ایک منٹ صبر کیجئے :

۶ : تین بڑی بندوقیں توڑے دار جڑاؤ دستے والی اور بارود بھرنے کے تیس کانٹے ۔

۷ : عرق کشید کرنے کی ایک بھٹی اور تین دیگیں ۔ دو عرق نکالنے کے لئے اور تیسری شراب کشید کرنے کے لیئے ۔ شراب کے شوقین حضرات کے لئے بے حد مفید ۔

شاہد : اُف خدایا . . . . . میں دیوانہ ہو جاؤں گا ۔ میرا دماغ پھٹ رہا ہے ۔

فتنہ : ۸ : گیدڑ کی ایک عدد کھال ساڑھے تین فٹ لمبی ، سُوکھی گھاس سے بھری ہوئی ۔ کمرے کی چھت سے لٹکانے کے لئے تحفہ کی چیز ۔

۹ : ایک بڑا ستار ، جس کا کوئی تار تو نہیں ۔ لیکن اس کے ساتھ چار مضراب ہیں ۔

۱۰ : نسوار کی ایک عدد ڈبیہ ۔ جس کے ڈھکنے میں شیشہ بھی جڑا ہے ۔

۱۱ : شیونگ سَیٹ

۱۲ : اٹھائیس بناوٹی دانت ۔ ایک بناوٹی آنکھ اور بیساکھیوں کا ایک جوڑا ۔

۱۳ : سر پر بال اُگانے کا ایک نادر الوجود نُسخہ

مذکورہ بالا اشیاء در حقیقت پانچ ہزار سے زیادہ مالیت کی ہیں ۔ لیکن قرض دینے والا اپنی خیر سگالی کی وجہ سے ان کی قیمت صرف تین ہزار لگا رہا ہے ۔"

شاہد : خیر سگالی گئی بھاڑ میں ! کوئی حد بھی ہے اس کنجوسی کی ؟ اتنا زیادہ سُود لینے کے بعد بھی یہ بدمعاش میرا گھر کباڑ خانہ بنانا چاہتا ہے (سر پر ہاتھ رکھکر بیٹھ جاتا ہے) . . . . . لیکن میں انکار بھی تو نہیں کر سکتا . . . . اب تو ہی بتا میں کیا کروں ؟ اگر ان تمام چیزوں کو بیچ بھی دُوں تو مجھے دو سو سے زیادہ وصُول نہیں ہو گا !

فتنہ : مگر مہنگا خرید کر سستا بیچنا کہاں کی عقلمندی ہے !

شاہد : ان ابا جان کی کنجوسی ناکہ بندی نہ کر دیتی تو کیوں یہ نوبت آتی . . . . اب ان کے مرنے کی دُعا نہ کروں تو اور کیا کروں ! . . . . . اللہ !

فتنہ : یقیناً آپ یہ دُعا مانگنے میں حق بجانب ہیں . . . . . میں اگرچہ پارسا آدمی ہوں، شریفوں کی طرح رہتا ہوں . لیکن اگر اس بڈھے کنجوس کی دولت میرے ہاتھ لگ جائے . تو چرانے سے کبھی دریغ نہ کروں گا . . . . . کیا خیال ہے ؟

شاہد : یہ دولت وغیرہ چرانا تیرا کام ہے تو ہی کر . میری طرف سے اجازت ہے . . . . . اچھا مجھے وہ فہرست ذرا دے دے . میں اُسے ایک مرتبہ پھر دیکھ لوں .

دوسرا سین

(خان گل زمان خان ، حاجی عبدالقدوس ، شاہد اور فتنہ)

گل زمان : جی ہاں حاجی صیب . ایک جوان لڑکے کو پیسے چاہئیں . اُس کے حالات نے اُسے مجبور کر دیا ہے کہ وہ قرض لے . چنانچہ اُسے تمام شرطیں منظور ہیں .

حاجی : لیکن خان صاحب کسی قسم کا خطرہ تو نہیں ؟ موکل کے نام ، خاندان ، جائیداد وغیرہ کا تو پتہ ہے نا آپ کو ؟

گل زمان : ابھی تک تو نہیں کیونکہ میری اور اس کی ملاقات بالکل اتفاقیہ ہوئی ہے . لیکن وہ خود ہی سارے شکوک دُور کر دے گا . اس کے خادم نے مجھے یقین دلایا ہے کہ خطرے کی کوئی بات نہیں . مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ اچھے کھاتے پیتے گھرانے کا نوجوان ہے . ماں مر چکی ہے . اور اگر آپ چاہیں تو وہ آپ کے سامنے قسم بھی اُٹھالے گا کہ آٹھ مہینے کے اندر اندر اس کا باپ بھی انشاءاللہ مر جائے گا اور خدانخواستہ نہ مرا تو وہ خود اسے زہر دے ڈالے گا .

حاجی : پھر تو ٹھیک ہے خان صاحب ! دراصل واقعہ یہ ہے کہ سخاوت کے جوش نے مجھے بے اختیار کر رکھا ہے کہ میں حق المقدور لوگوں کو خوش کر کے اس دُکھ بھری دنیا میں مسکراہٹیں پھیلاؤں گا . . . . . .

گل زمان : کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ ماشاء اللہ۔ درست فرما رہے ہیں آپ۔
(شاہد اور فتنہ داخل ہوتے ہیں)

فتنہ : (شاہد کے کان میں) ہائیں! اس کا کیا مطلب؟ گل زمان تو حاجی صاحب کے پاس بیٹھا ہے!

شاہد : اسے میرا پتہ کون بتا سکتا ہے؟ کہیں تُو نے مجھے دھوکا تو نہیں دیا؟

گل زمان : (شاہد اور فتنہ کو دیکھ کر) یہ آپ لوگ اتنی جلدی میں کیوں ہیں؟ آپ کو کس نے بتایا کہ یہاں ملنا ہے؟ میں نے تو آپ کو حاجی صاحب کا نام پتہ بھی نہیں بتایا تھا۔ لیکن میرے خیال میں خطرے کی کوئی بات نہیں۔ یہاں سب لوگ قابلِ اعتبار ہیں۔ اور پوری بات ابھی طے ہو سکتی ہے۔

حاجی : آپ کا کیا مطلب ہے خان صاحب؟

گل زمان : یہی صاحب ہیں جو پندرہ ہزار قرض لینا چاہتے ہیں۔

حاجی : یہ؟ ارے ناہنجار کندۂ ناتراش! تُو اس حد تک بڑھ چکا ہے؟ (اپنی چھڑی جھپٹ کر اٹھتا ہے۔ فتنہ اور گل زمان جلدی سے چھپ جاتے ہیں صوفے کے پیچھے)

شاہد : ہوں! تو یہ ذلیل اور شرمناک کاروبار کرنے والے ہیں!

حاجی : تو یہ تم ہو جو خود کو قرضوں سے تباہ کرنا چاہتے ہو؟

شاہد : اچھا۔ تو یہ آپ ہیں جو خود کو ان مجرمانہ بدمعاشیوں سے امیر بنانا چاہتے ہیں؟

حاجی : اور اس کے بعد بھی مجھے اپنی شکل دکھانے کی جُرأت؟

شاہد : اپنی کہیئے! کیا منہ دکھائیں گے دُنیا کو؟ آپ میں ہے جرأت؟

حاجی : بکواس بند کر ناخلف، ننگ خاندان! شرم نہیں آتی۔ ان فضول خرچیوں کے بعد قرض لیکر ماں باپ کے گاڑھے پسینے کی کمائی کو غرق کرنا چاہتا ہے؟

شاہد : آپ سُنائیے! آپ کو شرم نہیں آتی سُود کی کمائی جوڑتے ہوئے؟ آپ کو ہے خاندان کی عزت کا کچھ خیال؟ ایک تو لینا سُود اور اس پر یہ طریقے کہ کسی کنجوس سے کنجوس مکھی چوس نے بھی اختیار نہ کئے ہوں! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کالج کھول لیجئے ایک ۔ ۔

. . . . باہر بورڈ لگا دیجئے . . . . یہاں ایک ماہرِ فن کنجوسوں کو لوگوں کی کھال ادھیڑنے کی تربیت دیتا ہے۔

حاجی : سُور ! لگام دے اپنی زبان کو ناہنجار ! بدتمیز ! جا میری نظروں سے دُور ہو جا بدمعاش

شاہد : چلا جاتا ہوں۔ مگر اتنا بتا دیجئے کہ ہم دونوں میں سے زیادہ قصوروار کون ہے . . . . وہ جو آپ کی کنجوسی سے مجبور ہو کر ضرورت کی رقم قرض لیتا ہے یا وُہ جو ضرورت مند کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھاتا ہے ؟

حاجی : مَیں کہتا ہُوں بکواس بند کرو اور دفع ہو جاؤ ورنہ پیٹ پیٹ کر کھال اُدھیڑ دُوں گا !

تیسرا سین (حاجی عبدالقدوس اور بُوا لطیفن)

لطیفن : اخاہ حاجی صاحب . . . . حضُور . . . .

حاجی : لاحول ولا قوۃ . . . . . اچھا ٹھہر جاؤ، ٹھہر جاؤ ابھی آکر بات کرتا ہُوں . . . . (ASIDE) پہلے اپنی پُونجی کو دیکھ آؤں . . . . . جان تو اس میں اٹکی ہُوئی ہے۔ (سر ہلاتا ہُوا چلا جاتا ہے)

چوتھا سین (بُوا لطیفن اور فتنہ)

فتنہ : اُف کم بخت ! گھر ہے یا کباڑ خانہ ! (صوفے کے پیچھے سے اُٹھتا ہے) اس پاجی کو تپ دق بھی نہیں ہوتی !

لطیفن : ارے فتنے !

فتنہ : آخاہ بُوا لطیفن ! تم یہاں کیسے ؟ آجکل کیا کر رہی ہو ؟ کچھ ہم بھی تو سُنیں۔

لطیفن : کرتی کیا۔ سرے سے ایک ہی تو کام ہے . . . . اُدھر کی اِدھر اور اِدھر کی اُدھر لگانا۔ لڑائیاں جھگڑے ڈلوانا۔ سو چل رہا ہے دھندا . . . . ارے اِس دُنیا میں تو آدمی صِرف عقل کے سہارے ہی جی سکتا ہے۔ بس !

فتنہ : کہیں کوئی نیا دنگا فساد کروایا ؟

لطیفن : چھوڑ ان باتوں کو . . . . یہ بتا تیری کیسے گزر رہی ہے ؟

فتنہ : اس پاجی نے جینا اجیرن کر رکھا ہے۔ خدا غارت کرے اسے! یہ تو بھلا ہو شاہد میاں کا کہ یہاں پڑا ہُوا ہوں۔ ورنہ وہ بڈھا تو ایک منٹ ٹکنے نہ دے . . . . . . اور ہاں اس کا تو کوئی کام نہیں تجھے ؟

لطیفن: کام تو اسی سے ہے اور کچھ فائدے کی اُمید بھی ہے۔

فتنہ : (قہقہہ لگاتا ہے) فائدے کی امید اور اس سے ؟ اگر اس بڈھے سے ایک پائی بھی نکلوا لی تو شاگردی کر لوں گا تمھاری ؟

لطیفن: ارے کچھ خدمات ایسی ہوتی ہیں جن کا صلہ دینے کو خود بخود جی چاہتا ہے۔

فتنہ : تو تُو اس کم بخت حاجی عبدالقدوس کو جانتی نہیں ! بخدا اپنی مثال نہیں رکھتا دُنیا میں ! . . . . . . اس کے لیئے چاہے آسمان سے تارے توڑ لاؤ۔ اس کا ہاتھ جیب تک ہرگز نہیں جا سکتا . . . . . . چکنی چپڑی باتیں جتنی چاہو مل جائیں گی۔ لیکن پیسے دینے کا خانہ . . . . . . بالکل خالی ! یا یوں کہہ لو کہ سرے سے ہے ہی نہیں . . . . . . دینے کے لفظ سے حضرت کو اس قدر نفرت ہے، کہ بس پوچھو نہیں . . . . . . یہاں تک کہ اگر یہ کہنا ہو کہ فلاں چیز تمھیں دیتا ہوں تو وہاں بھی کہے گا کہ فلاں چیز تمھیں مستعار دیتا ہوں۔

لطیفن: فکر نہ کرو۔ میرے پاس بھی وہ گر ہے کہ چٹکیوں میں لوگوں کا دل موہ لیتی ہوں . . . . دو پل کی میٹھی باتوں سے ایک پتھر بھی موم کر سکتی ہوں !

فتنہ: سچ سچ ! . . . . . . یہاں یہ سب بیکار ہے . . . . . . کہے دیتا ہوں کہ اس شخص سے معاوضہ وصول کرنے کا خیال تک دل میں نہ لانا . . . . . . وہ تو یہودیوں اور سود خور پٹھانوں سے بھی دو قدم آگے ہے . . . . . . اسے پیسہ، عزت اور وقار سے کہیں زیادہ عزیز ہے کوئی اس کے پیسے کی تمنا کرے تو سیخ پا ہو جاتا ہے . . . . . . پیسے کا مطالبہ اس کے نزدیک ملک الموت کی آواز سے کم نہیں . . . . . . اس کے پیسے . . . . . .

(حاجی کی آواز : ارے ہو ناہنجار چھوٹو ! یہ کیلوں والے جُوتے کیوں پہن رکھے ہیں؟

گھر کے فرش اکھاڑ کر مجھے تباہ کرنا چاہتا ہے؟ چل اتار انھیں)

لوؤہ آگیا ...... دیکھا! اچھا تو مَیں چلتا ہُوں ...... اور رہی شرط

اگر تم نے دھیلہ بھی اس سے اگلوا لیا تو ساری عمر غلامی کروں گا!

لطیفن : فتنہ بھی کیا یاد کرے گا!

پانچواں سین

(حاجی عبدالقدوس اور بُوڑا لطیفن)

حاجی : خدا کا شکر ہے سب کچھ ٹھیک تھا ...... ہاں تو کیا بات تھی؟

لطیفن : حد ہوگئی! میں نے اب تک غور ہی نہیں کیا ...... آپ کی صحت تو ماشاء اللہ!

حاجی : کِس کی؟ میری؟

لطیفن : اور میں نے آپ کا رنگ بھی تو اتنا سُرخ و سپید اور نکھرا ہُوا پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

حاجی : واللہ!

لطیفن : اور پھر بہت کم عمر بھی تو معلوم ہو رہے ہیں آپ۔ خدا جُھوٹ نہ بلوائے تو آپ کے سامنے تو نوجوان بھی بوڑھے معلوم ہوتے ہیں

حاجی : ارے نہیں لطیفن! میں تو ساٹھ سال کا ہو لیا۔

لطیفن : اے ہے تو ساٹھ سال بھی کوئی عمر ہے؟ اسی عمر میں تو زندگی پر جوبن آتا ہے!

حاجی : یہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر چالیس کا ہوتا تو کیا ہی کہنے تھے۔

لطیفن : آپ تو ہنسی مذاق کرتے ہیں۔ سُن رکھیئے! آپ کی کاٹھی کا آدمی تو کُچھ نہیں، کچھ نہیں تو سو سال تک زندہ رہتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو مرتا ہی نہیں!

حاجی : تمھیں میری قسم!

لطیفن : اور نہیں تو کیا ...... ذرا میری طرف تو دیکھیئے ...... ہاں .... یہ سب کے سب نشان موجود ...... یہ آنکھوں کے درمیان بھی ...... یہ لمبی عُمر کا نشان!

حاجی : ارے کچھ جانتی بھی ہو یا بس یُونہی . . . .

لطیفن : بہت اچھی طرح . . . . . . ذرا ہاتھ تو دکھایئے . . . . اے سُبحان اللہ ! کیا لکیر ہے !

حاجی : کہاں ؟

لطیفن : یہ . . . . یہ لمبی لکیر ۔

حاجی : ہاں ہے تو سہی پر اس کا مطلب ؟

لطیفن : پہلے ہی کہا تھا نا کہ کم از کم ایک سو پچیس . . . .

حاجی : سچ مُچ ؟

لطیفن : میرے خیال میں تو آپ اپنی اولاد اور ان کی اولاد کے بعد تک زندہ رہیں گے ۔

حاجی : انشاء اللہ ! انشاء اللہ ! . . . . . ہاں تو یہ بتاؤ اپنا سلسلہ بھی کچھ چل رہا ہے ادھر ؟

لطیفن : اس کا فکر نہ کریں حاجی صاحب ! میں جس کام میں بھی ہاتھ ڈالتی ہوں ، اُسے پُورا کر کے چھوڑتی ہُوں ، جی ہاں ! اور پھر رشتے طے کرانا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے . . . . اور پھر اس میں اتنی مشکل بات ہی کیا ہے ؟ . . . . روزانہ ان کے گھر آتی جاتی ہُوں ۔ آپ کی محبت کا ذکر کوکب کی ماں سے بھی کر چکی ہوں کہ کس طرح کوکب کو کھڑکی میں دیکھ کر آپ ہزار جان سے اس پر فدا ہو گئے اور . . . .

حاجی : تو پھر اُنھوں نے کیا کہا ؟

لطیفن : یہ سُن کر تو ان کی باچھیں کھل گئیں ۔ ساتھ ہی میں نے کہہ دیا کہ کوکب کو آپ نے کھانے پر بُلایا ہے ۔ فی الفور اجازت دے دی ۔ چنانچہ وُہ کھانا آپ کے ساتھ کھائے گی اور کھانے کے بعد جمیلہ کے ساتھ میلے پر جائے گی اور . . . .

حاجی : تو میں اُسے اپنی بگھی دے دوں گا . . . . . مستعار دوں گا . . . . . ارے ہاں یہ بتاؤ اُس کی ماں جہیز میں کیا دے گی اسے ؟ یعنی کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہیئے . . . . آخر آدمی ایسی لڑکی سے تو شادی نہیں کر سکتا نا جو جہیز میں ساتھ کچھ یعنی قدرے

معقول رقم نہ لائے۔

لطیفن : کیا بات کرتے ہیں حاجی صاحب آپ ! چھ سات ہزار سالانہ ! چھ سات ہزار !

حاجی : ہائیں ! چھ سات ہزار سالانہ !

لطیفن : جی ہاں ! سُنیئے ! ایک تو وہ کھاتی بہت ہی کم ہے اور بہت ہی سادہ ہے ! اور آپ جانیے یہ کوئی معمولی صعنت تو ہے نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ یوں سال میں کم سے کم ڈیڑھ ہزار کی بچت ہو رہے گی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لباس میں بھی سادگی کی قائل ہے دو ہزار اس کے لگا لیجیۓ ۔ ۔ ۔ ۔ زیورات وُہ سرے سے پہنتی ہی نہیں، دو ہزار اس کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر دُوسری عورتوں کی طرح وہ سینما نہیں دیکھتی لپ اسٹک اور پوڈر نہیں لگاتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کچھ نہیں، کچھ نہیں تو ڈیڑھ دو ہزار کی بچت ہو گی اس میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سُرخی پوڈر پہ دو ہزار سے کم خرچ نہیں ہوتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں ایک عورت کی بات آپ کو بتلاتی ہُوں جس نے سُرخی پوڈر پہ گیارہ ہزار روپے خرچ کر ڈالے، گیارہ ہزار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو یُوں یہ سب رقمیں مل کر چھ سات ہزار کی بچت ہو رہے گی۔

حاجی : یہ تو ٹھیک ہے مگر کوئی ٹھوس ہاتھ آنے والی چیز بھی ہوتی نا۔

لطیفن : معاف کیجئے گا لیکن مجھے بتائیے کہ سادہ لباس اور سادہ خوراک سے محبت اور سُرخی پوڈر سے نفرت کیا کچھ کم چیز ہے ؟

حاجی : لیکن یہ تو مذاق ہو گیا نا ! یعنی جو کچھ خرچ وہ کرتی نہیں اسی کو جہیز سمجھ لیا جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

لطیفن : (بات کاٹ کر) فکر نہ کیجئے حاجی صاحب فکر نہ کیجئے۔ بُہت کچھ آئے گا ! بہت کچُھ ! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حاجی صاحب کسی زمانے میں وہ لوگ بہت امیر تھے۔ ان کی بہت سی جائیداد اب بھی موجُود ہے ۔اس تمام جائیداد کے وارث آپ ہی تو ہوں گے !

حاجی : اچھا ! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو پھر دیکھ لیا جائے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن لطیفن مجھے ایک اور بات کا بہت اندیشہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لڑکی کم عمُر اور نوجوان ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ڈرتا ہوں کہ نہ جانے میری عمر کا آدمی اُسے پسند آئے یا نہ آئے ۔ ۔ ۔ ۔ یا کہیں کوئی بات ایسی نہ ہو جائے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

لطیفن : آپ کو کیا پتہ حاجی صاحب! یہ بات تو میں آپ کو بتلانا بھول ہی گئی کہ لڑکی کو نوجوانوں سے سخت نفرت ہے! سخت نفرت! وُہ تو صرف بڈھوں ہی کو پسند کرتی ہے۔

حاجی : اچھا!!!

لطیفن : کاش اس سلسلے میں آپ نے اُسے اظہارِ خیال کرتے سُنا ہوتا! وُہ تو نوجوانوں کے سائے تک سے نفرت کرتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاف کہتی ہے کہ اُسے بوڑھوں سے عشق ہے، فدا ہے ان پر۔ جی ہاں! آدمی جتنا بُوڑھا ہو اُسے اتنا ہی زیادہ حسین نظر آتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ایک بات اور یاد رکھیئے گا حاجی صاحب! اس کے سامنے خود کو کم عُمر ظاہر کرنے کی کوشش ہرگز نہ کیجئے گا! ابھی چار مہینے ہُوئے اس کا نکاح ہونے لگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب نکاح نامے پر دستخط کرنے کو سب بیٹھے اور اسے پتہ چلا کہ اس کا منگیتر صرف چھپن برس کا ہے اور دستخط کرتے وقت عینک بھی نہیں لگاتا تو اُس نے فوراً ناں کر دی۔

حاجی : صرف اس بات پر!

لطیفن : جی ہاں! کھلم کھلا کہہ دیا کہ میرے خاوند کے لیئے یہ عُمر بہت کم ہے۔ وہ لوگ جو ہر وقت عینک نہ لگائے رکھیں مجھے قطعاً نہیں بھاتے!

حاجی : (عینک کو ہاتھ لگاتے ہُوئے فخریہ) اچھا! تو یہ گویا بڑی قابلِ فخر بات ہے۔ اس کا رجحان طبع معلُوم کر کے مجھے از حد مسرت ہُوئی۔ یعنی اگر میں عورت ہوتا تو کبھی کسی جوان لڑکے سے محبت نہ کرتا۔

لطیفن : آپ بالکل ٹھیک فرماتے ہیں! ان بنے ٹھنے نوجوانوں میں کیا رکھا ہے! انھیں پسند کون کرتا ہے؟

حاجی : جہاں تک میرا ذاتی تعلق ہے میں تو کبھی انھیں خاطر میں لاتا ہی نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی کیا بات لڑکیوں کو پسند آجاتی ہے۔

لطیفن : یہ نوجوان تو نِرے گدھے ہیں۔ ایسے جانوروں سے کون محبت کر سکتا ہے بھلا! توبہ

کیجئے توبہ!

حاجی : میں بھی تو یہی کہتا ہوں۔ ناز نخرے، عورتوں جیسی پتلی آوازیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تین بال لگاکر تِلّی جیسی مونچھیں رکھ لیتے ہیں اور پھر یہ کریمیں اور یہ بننا سنورنا! لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ!

لطیفن : جی ہاں! ان کا آپ سے کیا مقابلہ! آپ تو ہوئے مرد۔ آپ کے رُخِ روشن کی زیارت کر کے آنکھوں میں نور آتا ہے اور آپ کی طرح لباس پہننا اور پھر یہ آپ کے انداز ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ محبت کے شعلے کو بھڑکاتے ہیں۔ جی ہاں!

حاجی : نہیں نہیں بُوا لطیفن میں بھلا کس قابل ہوں!

لطیفن : اے ہے ایسا نہ کہیئے۔ آپ کی شخصیت تو انتہائی پُرکشش ہے۔ آپ کا جسم تو اتنا خوب صُورت ہے کہ تصویر بنانے کو جی چاہتا ہے۔ ذرا اُٹھیئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اے ہاں! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ذرا مُڑیئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بس بس! بھلا اس سے بہتر اور کیا جسم ہو سکتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ذرا چل کر دکھائیے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ واہ کیا مردانہ باوقار، قدرتی چال ہے۔

حاجی : (کھانستا ہوا دُہرا ہو جاتا ہے) شکر ہے کہ بفضل خُدا تندرستی اچھی پائی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صرف یہ کھانسی کبھی کبھی تنگ کرتی ہے

لطیفن : یہ کیا چیز ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ معمولی بات ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور پھر کھانستے بھی تو ایسے شاہانہ انداز سے ہیں کہ بے اختیار جی چاہتا ہے کہ آپ کھانسا کریں اور دُنیا دیکھا کرے۔

حاجی : ہاں۔ مگر لطیفن مجھے یہ تو بتاؤ کہ کوکب نے مجھے کبھی دیکھا بھی ہے یا نہیں؟

لطیفن : نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ذکر اکثر آپ ہی کا رہتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے آپ کی پُوری تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے اُتار رکھی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کی خوبیاں اور خاوند بننے کی صلاحیتیں گنوانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔

حاجی : خُوب خُوب! جی خوش ہو گیا۔ جیتی رہو! جیتی رہو!

لطیفن : ہاں مگر حاجی صاحب مجھ پر ایک مصیبت آن پڑی ہے۔ اس میں میری کچھ امداد فرمائیے (حاجی صاحب بہت خوش تھے اب یکایک ان پر اداس پڑ جاتی ہے) . . . . میرا ایک مقدمہ پھنسا ہوا ہے۔ ڈر ہے کہ پیسے کی کمی کی وجہ سے کہیں ہار نہ جاؤں۔ آپ کی طرف سے ذرا بھی مدد ہو جائے، تو میں یہ مقدمہ جیت سکتی ہوں . . . . باقی آپ کو معلوم نہیں کہ وُہ آپ کو دیکھ کر کتنی خوش ہو گی۔ آپ کی قدامت پسندی اس کا دل لُبھالے گی۔ (حاجی صاحب خوش ہو جاتے ہیں)

حاجی : جب تم یہ کہتی ہو تو میری خوشی کا اندازہ نہیں رہتا۔

لطیفن : تو حاجی صاحب اس مقدمے نے میرے حواس غائب کر رکھے ہیں (حاجی صاحب بور ہو جاتے ہیں) ہار گئی تو تباہ ہو جاؤں گی۔ آپ سے ذرا سی مدد مل گئی تو میرا کام سنور جائے گا۔ . . . . . . آپ کے ذکر پر میں نے اُس کی آنکھیں مسرت سے چمکتی دیکھی ہیں (حاجی صاحب خوش ہو جاتے ہیں) درحقیقت شادی کے لئے میں نے ہی اُسے آمادہ کیا ہے۔

حاجی : لطیفن تم نے میرا جی خوش کر دیا۔ میں تمہارا بہت ممنون ہوں۔

لطیفن : تو حاجی صاحب اس وقت جس طرح بھی بن سکے، میری مدد فرمائیے (حاجی صاحب بور ہو جاتے ہیں) یُوں میں دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکوں گی اور آپ کا احسان عمر بھر یاد رکھوں گا۔

حاجی : اچھا اس وقت تو مجھے کچھ ضروری خط لکھنے ہیں۔ مفصّل باتیں پھر کسی وقت ہوں گی۔ خُدا حافظ!

لطیفن : حاجی صاحب اگر اس ضرورت کے وقت آپ نے مدد نہ کی تو . . . .

حاجی : میں تاکید کر دوں گا کہ میلے پر جانے کے لئے بگھی تیار رہے۔

لطیفن : دیکھئے اگر مجھے انتہائی ضرورت نہیں ہوتی تو میں کبھی آپ کو تکلیف نہ دیتی۔

حاجی : (اُٹھ کر چل دیتا ہے) کھانا بھی جلد تیار ہو جائے گا۔ کہہ دینا واپسی میں دیر نہ ہونے پائے۔

لطیفن : خُدا را میری مدد سے انکار نہ کیجئے . . . . . . حاجی صاحب واقعی میں آپ
کو بالکل تکلیف نہ دیتی ، اگر مَیں بالکل مجبُور . . . . . . حاجی صاحب آپ
اندازہ نہیں کر سکتے . . . .

حاجی : نہ جانے کون بلا رہا ہے . . . . آیا بھئی آیا . . . . . . اچھا خُدا حافظ !

لطیفن : تجُھ پر وبال ٹوٹے . . . . مرجائے . . . . . . جہنم میں جائے
بُڈھے کھوسٹ . . . . . . کان پہ جُوں ہی نہیں رینگتی ! . . . . . .
اچھی بات ، ٹھہر تو جا ! کیا مزا چکھاتی ہُوں . . . . . . دُوسری طرف تو
میری ہے ہی ، وہاں سے سہی .

دُوسرا ایکٹ ختم ہُوا .

تیسرا ایکٹ

پہلا سین

(حاجی عبدالقدوس، شاہد، جمیلہ، ارشد، چھٹن خان،)

(چھوٹو اور موٹو . . . . . . سب لوگ ڈرائنگ رُوم میں ہیں۔ نوکر قطار باندھے کھڑے ہیں۔ حاجی صاحب صوفے پر بیٹھے ہیں۔ شاہد اور جمیلہ ایک کونے میں کھڑے ہیں)

حاجی : دیکھو سب لوگ ادھر آؤ اور کان کھول کر سنو کہ آج تمھیں کیا کچھ کرنا ہے . . . . . . سب سے پہلے تو اِدھر آ چھوٹو . . . . . . تجھے جھاڑ پونچھ کرنا ہے۔ لیکن لکڑی کے سامان کو اتنی زور سے نہ رگڑیو کہ روغن اُتر جائے . . . . . . علاوہ ازیں کھانے کے دوران میں برتنوں کی دیکھ بھال کیجیو۔ پر یاد رہے اگر کوئی چیز گم ہُوئی یا ٹوٹ گئی، تو ذمہ داری تیری! . . . . . . دوگنی قیمت تنخواہ میں سے کٹ جائے گی۔

چھٹن خان: بہت بہتر سرکار۔

حاجی : اور موٹو تم گلاسوں کو چمکانا . . . . . . لیکن زیادہ نہ چمکانا گھس جائیں گے . . . . شربت اسی وقت دینا جب کسی کو پیاس بہت زور کی لگی ہو اور وہ کئی بار مانگ چکے . . . . . . اور پانی بھی کافی رکھنا اپنے پاس۔

چھٹن خان: جی ہاں! گاڑھی لسّی یا شربت سے تو خمار آجاتا ہے۔

چھوٹو : حاجی صاحب میرے تہمد پہ ایک بڑا سا دھبّہ پڑ گیا ہے۔ تیل کا دھبہ ہے جی اور۔

موٹو : اور میرا تہمد پیچھے سے پھٹا ہُوا ہے جی اور . . . . . .

حاجی : ارے نالائقو! تدبیر سے کام کیوں نہیں لیتے؟ تم سُوراخ والا حِصّہ دیوار کی طرف کر کے کھڑے رہنا اور تم یہ جھاڑن ہاتھ میں اس طرح پکڑنا کہ دھبّہ نظر نہ آنے پائے اچھا اب تم جاؤ . . . . . . یہ کھڑے کھڑے میرا منہ کیا تک رہے ہو؟

کہا جو کہ دفع ہو جاؤ۔ (چھوٹو موٹو جاتے ہیں) اور تم جمیلہ . . . . . . تم یہ خیال رکھنا کہ میز پر کیا بچا ہے۔ اسے ضائع نہ کرنا۔ . . . . . . لو اب تم لوگ میری منگیتر کے استقبال کے لیئے تیار ہو جاؤ۔ . . . . . . اور ہاں جمیلہ! تم نے اس کے ساتھ میلے پر بھی جانا ہے۔ اچھا؟ . . . . . . اور شاہد! تم سنو!

شاہد : جی؟

حاجی : دیکھو نواب صاحب! اب میں تمھیں معاف کر چکا ہوں۔ اب بھی اس کے سامنے منہ پھلا کر نہ بیٹھنا!

شاہد : منہ پھلا کر؟ وہ کیوں؟

حاجی : مجھے معلوم نہیں کہ بچوں کا اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے؟ کس طرح بات بات میں اس کی توہین کی جاتی ہے! اگر چاہتے ہو کہ میں تمھارا آخری کارنامہ بھول جاؤں تو اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا۔

شاہد : وعدہ تو نہیں کر سکتا۔ لیکن کوشش ضرور کروں گا۔

حاجی : اتنا ہی غنیمت ہے!

شاہد : آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔

حاجی : ہاں خیال رہنا چاہیئے۔

(شاہد اور جمیلہ جاتے ہیں)

دُوسرا سین

(حاجی عبدالقدوس، ارشد، چھٹن خان)

. . . . . اور ہاں چھٹن خان! اب تم ادھر آؤ۔

چھٹن خان : چھٹن خان باورچی یا کوچوان؟

حاجی : کیا مطلب؟

چھٹن خان : آپ شاید بھول گئے کہ بندہ بیک وقت باورچی بھی ہے اور کوچوان بھی . . . . . . اب بتایئے اب باورچی سے بات کرنا چاہتے ہیں یا کوچوان سے؟

حاجی : دونوں سے۔

چھٹن خان: لیکن پہلے کس سے ؟

حاجی : باورچی سے۔

چھٹن خان: تو ایک منٹ ٹھہرئیے (کوچوان کا لباس آتار دیتا ہے اور نیچے سے باورچی کے کپڑے نکل آتے ہیں) باورچی حاضر ہے ۔

حاجی : چھٹن خان! آج شام میں نے ایک دعوت دینے کا فیصلہ کیا ہے :

چھٹن خان: دعوت ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ حد ہوگئی !

حاجی : چنانچہ کھانا مزے دار پکے !

چھٹن خان: لیکن کھانا مزے دار پکنے میں پیسے جو زیادہ خرچ ہوں گے وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حاجی : پھر پیسہ ! ابے او خبیث ملعون! جب دیکھو پیسے ہی کا رونا رہتا ہے! پیسہ! پیسہ پیسہ! جیسے اس کے سوا اور کوئی لفظ ہی یاد نہیں ۔

ارشد : ابے پیسے کے سوا کوئی اور بھی سبق پڑھا ہے ؟ ارے زیادہ پیسے خرچ کرکے تو اناڑی سے اناڑی باورچی بھی اچھا کھانا تیار کر سکتا ہے۔ لیکن جس کے ہاتھ میں ہُنر ہو وہ کوڑیاں خرچ کرکے نہایت پُرتکلف کھانا تیار کر دیتا ہے ۔

چھٹن خان: کوڑیاں خرچ کرکے ؟ تو خدارا اس کا راز مجھے بھی بتا دیجئے بڑا اِحسان ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ بلکہ میری مانیں تو باورچی کی جگہ بھی آپ ہی سنبھال لیں۔ گھر کے ہر کام میں تو آپ ٹانگ اڑاتے ہی ہیں۔

حاجی : بکواس بند کر! یہ بتا کہ ضرورت کس کس چیز کی ہوگی ؟

چھٹن خان: ارے صاحب! تھوڑے پیسوں میں عمدہ کھانا کیونکر تیار ہوگا ؟

حاجی : ارے گدھے میں نے کیا پوچھا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میری بات کا جواب دے !

چھٹن خان: آپ آدمی کتنے ہوں گے ؟

حاجی : آٹھ یا دس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن کھانا آٹھ کا ہی تیار کیجیو، آٹھ کے لئے کھانا پکے

تو دس بھی اسی میں بھگت جاتے ہیں ؟

ارشد : اور کیا . . . . . . درست فرمایا آپ نے !

چھٹن خان: (گنتے ہوئے) تین سالن . . . . . مرغی کا شوربہ . . . . . پلاؤ اور زردہ . . . .

حاجی : ابے او خبیث ! میں نے گورنر کی دعوت کر رکھی ہے کیا جو یہ کھانے سوچ رہا ہے؟ . . . . . . اور بھلا یہ مُرغ کیوں ؟ . . . . مجھے اذانیں دلوانی ہیں ؟

چھٹن خان: اور بُھنا ہُوا . . . .

حاجی : سُور ! ارے ناہنجار ! سارا گھر لُٹا دینے کی ٹھانی ہے کیا ؟

چھٹن خان: اور فرنی . . . .

ارشد : ابے بدہضمی ہو جائے گی، سب کو بدہضمی ! سُنا نہیں ڈاکٹر لوگ کیا کہتے ہیں ؟ ان کے خیال میں صحت کو سب سے زیادہ نقصان خوراک کی زیادتی سے پہنچتا ہے .

حاجی : بالکل درست !

ارشد : اور تمھیں اور تمھاری قسم کے سب لوگوں کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ وُہ لوگ قاتل ہیں، جو مہمان بُلا کر دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چُن دیتے ہیں . اپنے مہمانوں سے دوستی ظاہر کرنا ہو تو اُنھیں کم سے کم کھانا دو . . . . . . وُہ کہاوت نہیں سُنی . . . . زندہ رہنے کے لیئے کھاؤ نہ کہ کھانے کے لیئے زندہ رہو !

حاجی : سُبحان اللہ ! کیا بات کہی ہے ! جی چاہتا ہے مُنہ چوم لوں ! اس سے بہتر کہاوت عُمر بھر نہیں سُنی . . . . . . واہ واہ . . . . . کھانے کے لیئے زندہ رہو نہ کہ کھانے کے لیئے زندہ رہو . . . . . کیا کہاوت تھی ؟

ارشد : زندہ رہنے کے لئے کھاؤ نہ کہ کھانے کے لئے زندہ رہو .

حاجی : مرحبا ! . . . . . . مَیں نے کہا کہ یہ کس عظیم شخصیت کا قول ہے ؟

ارشد : اس وقت یاد نہیں .

حاجی : مجھے لکھ دینا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تاکہ میں یہ مقولہ کھانے کے کمرے میں کارنس پر سنہرے الفاظ میں لکھوا دوں۔

ارشد : آپ فکر نہ کیجئے۔ میں خود لکھ دوں گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور کھانے کا انتظام بھی مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ ہر چیز آپ کی مرضی کے مطابق ہوگی۔

حاجی : شکریہ۔

چھٹن خان : شکر ہے میرا کام تو کم ہوا۔

حاجی : دیکھنا ارشد کوئی ایسی چیز بھی ہونی چاہیئے جو لوگ زیادہ نہ کھائیں اور جس سے ان کا پیٹ جلد بھر جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چاول زیادہ اُبلوا لینا۔

ارشد : یہ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔

حاجی : اور اب چھٹن خان ! میری بگھی صاف کر دینا۔

(کچھ سوچتے ہوئے)

چھٹن خان : ذرا ٹھہریئے !

حاجی : کیوں ؟

چھٹن خان : آپ چھٹن خان کوچوان سے بات کرنا چاہتے ہیں نا !

حاجی : ہاں !

چھٹن خان : (کوچوان کا لباس پہن کر) کوچوان حاضر ہے !

حاجی : بگھی صاف کر دو اور اُسے میلے پر جانے کے لیئے جوت دو۔

چھٹن خان : مگر آپ کے گھوڑے تو باہر جانے کے لئے ٹھیک حالت میں نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ نے انھیں اس باقاعدگی کے ساتھ روزے رکھوائے ہیں کہ وہ بس نام ہی کے گھوڑے رہ گئے ہیں ! انھیں کھینچنے کے لیئے تو دو اور گھوڑوں کی ضرورت ہوگی

حاجی : ہائیں ! مگر جب انھیں کچھ کام نہیں تو پھر ان کی حالت چہ معنی دارد ؟

چھٹن خان : حضور یہ تو ٹھیک ہے کہ انھیں کوئی کام نہیں لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ انھیں کھانے کو کچھ بھی نہ دیا جائے ! ان بے چاروں کے لئے بہتر تو یہ ہوتا کہ ان سے خوب کام لیا جاتا اور پیٹ بھر کر کھلایا جاتا ۔ ۔ ۔ ۔ میرے دل پر تو ان کا

خیال آتے ہی چھُریاں سی چلنے لگتی ہیں۔ کیونکہ انھیں دیکھ کر مجھے یُوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ نہیں بلکہ میں اس مصیبت کا شکار ہو رہا ہوں۔ . . . . ہر روز اپنے مُنہ سے نوالے نکال کر انھیں دیتا ہوں۔

حاجی : لیکن میلے تک جانا تو کوئی اتنی بڑی مشقت نہیں!

چھٹن خان: نہیں حضور مجھے میں ہمت نہیں کہ اس حال میں انھیں ایک بھی چابک لگاؤں۔

ارشد : حاجی صاحب! آپ فکر نہ کریں۔ میں امام دین کو لے آؤں گا۔ ساتھ ہی رہتا ہے۔ وہ آپ کی بگھی بھی چلائے گا اور کھانا بھی پکا دے گا۔

چھٹن خان: شکر ہے مصیبت ٹلی! خُدا نہ کرے کہ وُہ بے زبان میرے ہاتھوں دُوسری دُنیا کو سدھاریں۔

ارشد : چھٹن خان صاحب رحم دل کچھ زیادہ ہی واقع ہُوئے ہیں!

چھٹن خان: اور میاں ارشد کچھ زیادہ ہی خوشامدی!

حاجی : خاموش! یہ تُو تُو مَیں مَیں واہیات بات ہے!

چھٹن خان: کچھ بھی ہو میں ان کی خوشامد کو برداشت نہیں کر سکتا . . . . میں تمھاری سب چالاکیاں سمجھتا ہُوں! تم سب چیزوں کی نگرانی اس لئے کرتے ہو کہ ان کی نظروں میں چڑھ سکو۔ لیکن یہ نہ ہونے پائے گا، . . . . . . آخر مجھے بھی تو آپ سے محبت ہے۔ بھلا میں یہ کیسے برداشت کر سکتا ہُوں کہ کوئی جھُوٹ موٹ خوشامد کر کے آپ کا دِل جیت لے! مُجھ سے دُوسرے لوگوں کی باتیں نہیں سُنی جاتی ہیں ان کی باتیں سُن کر میرا دماغ پھٹنے لگتا ہے . . . . . . اور یہ سب ان خوشامدیوں کی وجہ سے ہے۔

حاجی : کیوں بھئی لوگ آخر میرے متعلق کیا باتیں کرتے ہیں؟

چھٹن خان: آپ ناراض نہ ہوں تو ایک ایک بات سُنانے کے لیئے تیار ہُوں۔

حاجی : خاطر جمع رکھو! ناراض کیوں ہوتا بھلا؟

چھٹن خان، لیکن میری باتیں سُن کر آپ کو غُصّہ ضرور آئے گا۔ کوئی شخص اپنے مُتعلق ایسی باتیں سُن

نہیں سکتا۔

حاجی : ہرگز۔ ہرگز نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا! اس کے برعکس مجھے تو لوگوں کی رائے معلوم کر کے بڑی مسرت ہوگی!

چھٹن خان: اچھا اگر آپ یہی چاہتے ہیں تو سُنیئے . . . . . . ہر شخص آپ کا مذاق اُڑاتا ہے . . . . آپ کے متعلق طرح طرح کے لطیفے مشہور ہیں۔ لوگوں کا ایمان ہے کہ آپ حاجی تو ہیں لیکن حج نہیں کیا بلکہ کراچی حاجیوں کے ساتھ جاتے ہُوئے آپ بغیر ٹکٹ سفر کرتے ہُوئے دھر لئے گئے تھے۔ تین مہینے جیل کاٹنے کے بعد جب آپ واپس تشریف لائے بھی تو بھی اتفاق سے حاجیوں کی ٹرین میں جگہ مل گئی اور یہاں پہنچ کر آپ نے خود کو حاجی مشہور کر دیا . . . . . آپ کی کنجوسی کی کہانیاں مزے لے لے کے سُنائی جاتی ہیں۔ ہر شخص کہتا ہے کہ مہینے کے آخر میں آپ ضرور کوئی نہ کوئی جھگڑا کھڑا کر دیتے ہیں تاکہ نوکر بھاگ جائیں اور آپ کو انھیں تنخواہ نہ دینا پڑے . . . . ایک شخص نے مجھے بتایا کہ آپ نے کسی پر صرف اس لئے مقدمہ دائر کر دیا کہ اس کی بلی آپ کے گھر کی بچی کھچی ہڈیاں کھا گئی تھی . . . . . . ایک رات سُنا ہے کہ آپ خود ہی اپنے گھوڑوں کی گھاس چُرا رہے تھے تو پکڑے گئے اور پہلے کو چوان نے اندھیرے میں آپ کی خُوب مرمت کر ڈالی جس کا آپ نے کبھی ذکر نہیں کیا . . . . . . مختصر یہ کہ ہر آدمی آپ کا مذاق اُڑاتا ہے۔ آپ کو طعنے دیتا ہے اور گالیوں سے نوازتا ہے . . . . . . ہر قدم پر اسی قسم کی آوازیں کان میں پڑتی ہیں۔ سُن کر بتا نہیں سکتا کیا حالت ہوتی ہے۔ مگر آپ ہیں کہ آپ کے کان پر جُوں تک نہیں رینگتی!

حاجی : (چھڑی لے کر اُس کی طرف بھاگتے ہُوئے) بدمعاش! شرم نہیں آتی اپنے مالک کے خلاف ایسی باتیں کرتے ہُوئے۔ نسُور!

چھٹن خان: حضُور . . . . . . میں نے اسی لئے کہا تھا کہ آپ یقین نہیں کریں گے اور ناراض ہو جائیں گے!

حاجی : ٹھہر ناہنجار ! ابھی تیری خبر لیتا ہوں ! (ارشد چھٹن خان کو پکڑ لیتا ہے اور حاجی صاحب اسے چھڑی سے پیٹتے ہیں) یہ ! (حاجی صاحب چلے جاتے ہیں)۔

تیسرا سین

(ارشد اور چھٹن خان)

ارشد : (چھٹن خان اپنا گھٹنا سہلا رہا ہے ارشد قہقہے لگاتا ہے) چچ چچ چھٹن خان صاحب! کیا پھل ملا ایمانداری کا !" چچ چچ افسوس !

چھٹن خان: ہنس لو ! کل اپنے پر پڑے گی، تو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔

ارشد : ہا ہا ہا، ارے تم تو خوامخواہ ناراض ہو رہے ہو !

چھٹن خان: (ASIDE) ذرا دب گیا ہے مجھ سے ! میرے ہتھے چڑھ جائے تو ایسا مزا چکھاؤں کہ ساری عمر یاد رکھے۔ . . . . . اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے ؟ اتنا نہ ہنسئے کہ آنسو نکل آئیں ! (ارشد کو دھکا دیتا ہے)

ارشد : کیا کر رہے ہو چھٹن، پرے ہٹو !

چھٹن خان: پرے کیوں ہٹوں ؟ میں ابھی تمھاری مرمت کروں گا !

ارشد : جانے بھی دو یار !

چھٹن خان: جانے کیوں دوں ؟

ارشد : اچھا بابا معاف کر دو۔

چھٹن خان: معاف کر دوں ؟ تمھیں ؟ مجھے کہیں سے . . . . .

ارشد : جناب چھٹن خان صاحب ! میرے حضور !

چھٹن خان: یہ خوشامد مجھ پر نہ چلے گی۔ . . . . . . جو مجھے کہیں سے ایک چھڑی مل جاتی تو...

ارشد : (صوفے کے پیچھے سے چھڑی نکال کر دھمکاتے ہوئے) ہوں ! یہ رہی چھڑی !

چھٹن خان: نہیں نہیں میں اس کی بات نہیں کر رہا تھا۔

ارشد : چھٹن خان ! تمھیں شاید معلوم نہیں کہ اس چھڑی سے اب تم پٹو گے ! تم سر پر چڑھے جا رہے تھے نا !

چھٹن خان: نہیں نہیں میں تو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں تو۔

ارشد: میں اب تک چپ تھا اس لیے؟

چھٹن خان: ہرگز نہیں! میں تو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ارشد: تمھیں معلوم ہے میں کون ہوں؟ جانتے ہو مجھے؟

چھٹن خان: جانتا ہوں! بابا جانتا ہوں! معافی چاہتا ہوں۔ معافی دے دو۔

ارشد: تو تم مجھے پیٹنا چاہتے تھے؟

چھٹن خان: وہ تو یونہی مذاق تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں واقعی مذاق کر رہا تھا۔

ارشد: اچھا! تو تم مذاق کر رہے تھے۔ (چھڑی سے پیٹتے ہوئے) لیکن میں مذاق نہیں کر رہا اور اگر آئندہ تم نے مجھ سے مذاق کیا تو میں اسی قسم کی سنجیدگی سے پیش آؤں گا۔

(چھڑی پھینک کر چلا جاتا ہے)

چھٹن خان: اس سچائی پر لعنت ہو! خدا کی قسم اب کبھی سچائی سے کام نہ لوں گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے آقا کا سلوک تو برداشت کر لیا۔ لیکن اس کمینے حرامخور سے بدلہ نہ لیا تو چھٹن خان نام نہیں۔

چوتھا سین

(چھٹن خان، بوا لطیفن اور کوکب)

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنی ٹانگ سہلاتا ہوا باہر جانے کو ہے کہ لطیفن داخل ہوتی ہے)

لطیفن: تمھیں معلوم ہے کہ حاجی صاحب گھر پر ہیں؟

چھٹن خان: بہت اچھی طرح!

لطیفن: تو انھیں اطلاع کر دو کہ ہم آن پہنچے۔

(چھٹن خان جاتا ہے)

کوکب: اس ملاقات کے خوف سے میرے تو حواس غائب ہیں۔

لطیفن: لیکن وہ کیوں؟

کوکب: پھانسی کا پھندا دیکھ کر مرنے والے کو خوف نہیں آتا؟

لطیفن : ارے ! یہ حاجی پھانسی کا پھندا تو نہیں ؟

کوکب : آہ ! . . . . . . اگر والدصاحب کی اطلاع مل جاتی اور ہم اپنی ریاست میں واپس جاسکتے تو میں جو جی چاہتا کرتی۔ میری محبت یوں نہ لٹتی !

لطیفن : تم جانتی ہو کہ وہ کون ہے ؟

کوکب : جاننے کا فائدہ کیا ؟ مجھے اتنا ضرور معلوم ہے کہ وُہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور اگر مجھے پسند کی اجازت ہو تو میں اُسے ہی چُنوں ۔ کاش ! اُسے میری مصیبت کا پتہ چل جائے !

لطیفن : ابھی تک بچوں کی سی باتیں کرتی ہو ! شادی ہمیشہ دولت مند سے کرنی چاہیئے . . . . مال ہے تو جہان ہے !

کوکب : جان ہے تو جہان ہے !

لطیفن : غریب کا جینا ، جینا نہیں ہوتا بگلی !

کوکب : لیکن میں اپنی محبت کو دولت پہ قربان نہیں کرسکتی !

لطیفن : چھوڑو ! مجھے یہ مذاق پسند نہیں۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تمھاری شادی ایک بڈھے کے ساتھ ہو رہی ہے۔ جس کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ۔ اس کے بعد اس کی تمام جائیداد کی اکیلی تم مالک ہوگی . . . . . . کیا یہ چیز بھی تمھیں محبّت سے زیادہ حسین معلوم نہیں ہوتی ؟

کوکب : پھر وُہی باتیں ، پھر وہی باتیں !

پانچواں سین ۔

(حاجی عبدالقدوس ۔ کوکب ، لوُا لطیفن)

حاجی : (دروازے پہ رُک کر عینک چڑھا کر) ماشاء اللہ ! ماشاء اللہ ! (قریب جاکر) اگر میں تمھارے پاس چشمہ لگا کر آیا ہوں تو ناراض نہ ہونا میری لالہ رُخ ! ہائے (آہ بھرتا ہے) حُسن ایکدم آنکھوں کو چندھیا دیتا ہے اور حسینوں کو دیکھنے کے لیئے عینک کی ضرورت نہیں پڑتی . . . . . . لیکن ستاروں کو تو فقط عینک ہی سے دیکھا

جا سکتا ہے۔ عینک ہی سے! .... تم بھی تو ایک ستارہ ہو.....
ایک خوبصورت ستارہ، ستاروں کے ملک کا حسین ترین ستارہ...... ایں
یہاں تو محبت کے کوئی آثار ہی نہیں! لطیفن! یہ جواب کیوں نہیں دیتیں؟

لطیفن : ابھی ڈرتی ہیں۔

حاجی : ڈرتی ہیں! وہ کیوں؟ میری حسینہ .... میری بیٹی .... میری
بیٹی تمھارے استقبال کے لئے آرہی ہے۔

چھٹا سین

(حاجی عبدالقدوس، کوکب، لطیفن، جمیلہ)

جمیلہ : میرا خیال ہے مجھے کچھ دیر ہوگئی!

حاجی : اری او بے وقوف لڑکی! قد دیکھ اس بت کا قد دیکھ! .... رخ
ببیند خدا را قد و قامت نگرید!

کوکب : اف منحوس! لطیفن! اس منحوس کو ذرا پرے رکھو..... اُف میرے
اللہ! کس قدر گھناؤنی صورت ہے!

حاجی : حسینہ نے کچھ کہا ...... مگر کیا کہا؟

لطیفن : یہ کہتی ہیں آپ بہت خوب صورت ہیں۔

حاجی : خوبصورت! خوبصورت!! میں بے حد خوبصورت! میری محبوبہ!

کوکب : جانور کہیں کا؟

حاجی : مجھے آپکے جذبات کا احترام ہے!

کوکب : وحشی! بدصورت! منحوس!

حاجی : زیادہ تعریف نہ کرو محبوبہ! لو میرا بیٹا بھی آگیا!

ساتواں سین۔

(حاجی عبدالقدوس، کوکب، لطیفن، جمیلہ، شاہد)

کوکب : لطیفن! یہ تو وہی ہیں جن کا ذکر میں کر رہی تھی۔

لطیفن : ہائیں! کیا؟ تم . . . . . . تم ان کا ذکر کر رہی تھیں . . . . . . لو یہ نیا قصہ کھڑا ہُوا!

حاجی : آپ اس کی وجہ سے پریشان ہیں؟ مَیں ابھی اسے چلتا کر دوں گا۔

شاہد : (کوکب سے) اچھا تو میرے والد صاحب سے شادی کرنے کا ارادہ ہے۔ . . . . . خوب! . . . . . . مجھے تم سے یہ توقع نہ تھی۔ کیا ہر سچی محبت کا یہی انجام ہوتا ہے؟

کوکب : میں اس مُلاقات سے خود پریشان ہُوں . . . . . . میں اس کے لئے قطعاً تیار نہ تھی۔

شاہد : میرے والد کی پسند کسی صُورت بُری نہیں کہی جا سکتی . . . . . . آپ کا دیدار میرے لئے باعثِ مسرت ہے۔ لیکن آپ کو اپنی سوتیلی ماں بنتے دیکھ کر خوش ہونا میری طاقت سے باہر ہے۔ مَیں اس کا تصوّر بھی ذہن میں نہیں لا سکتا . . . . . . (حاجی صاحب سے) میرے یہ فقرے آپ کو ناگوار ضرور گزریں گے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ آپ انھیں غلط نہ سمجھیں گے . . . . . . یہ شادی میری مرضی اور میرے ارادوں کے خلاف ہے۔ اگر میرا اختیار ہوتا تو یہ شادی کبھی نہ ہونے پاتی۔

حاجی : لاحول ولا قوۃ . . . . گھر آئے مہمان کا یہ استقبال! لاحول ولا قوۃ!

کوکب : خدارا ایسا نہ کہئے مجھے تو سوتیلی ماں کا نام سُن کر گھن آتی ہے۔ میں مجبور ہُوں، ورنہ ایسی شادی کا ذکر بھی نہ سنتی۔ جس سے آپ ناراض ہوں۔

حاجی : بالکل درست، صحیح! ٹھیک! اس بدتمیز کی بدتمیزی کو معاف کر دینا میری حسینہ! یہ احمق ہے!

کوکب : اُنھوں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی۔ جس سے میں ناراض ہوں۔ بلکہ میں خوش ہوں کہ اُنھوں نے سچ بات کہہ دی . . . . اگر ایسا نہ کرتے تو شاید

میری نظروں سے گر جاتے۔

حاجی : ماشاءاللہ ! ماشاءاللہ ! . . . . . . عقلمند انسان ہمیشہ دُوسروں کی غلطیوں سے ذرگزر کرتے ہیں . . . . . . آپ کی سرپرستی میں یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا . . . . . . اس کو آپ جیسی ہی ماں چاہیئے ۔

شاہد : نہیں ہرگز نہیں ! میں ! انھیں اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرے یہ جذبات کبھی نہ بدلیں گے ۔

حاجی : احمق کہیں کا ! تُو تو حد سے بڑھ چلا !

شاہد : کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں خود کو دھوکا دوں ؟

حاجی : پھر وہی بکواس ! تم یہ موضوع بدل ہی کیوں نہیں دیتے ؟

شاہد : اچھا اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو یونہی سہی . . . . . . مجھے میرے والد کے جگہ تصور کیجیئے . . . . . . اور اگر آپ (حاجی صاحب کی طرف اشارہ کر کے) بُرا نہ مانیں تو میں یہ کہہ سکتا ہُوں کہ میں نے آپ سے زیادہ پُرکشش اور حسین ہستی دُنیا بھر میں نہیں دیکھی . . . . . . آپ کو خوش کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی تمنّا ہے اور آپ سے شادی کرنا ایک ایسی عزّت، ایک ایسا فخر اور ایک ایسی خُوشی ہے کہ اس پر ساری دُنیا قربان کی جا سکتی ہے . . . . . . (حاجی صاحب کو چڑانے کے لئے) آپ کے ہر اشارے پر مر مٹنا میرا ایمان ہے ۔ آپ کی محبت میری زندگی اور آپ سے جُدائی میری موت کا پیغام ہے ۔

حاجی : (تھوک نگل کر) ذرا تحمّل سے میرے بیٹے ! ذرا تحمّل سے !

شاہد : ابّا جان ! آپ قطعاً پریشان نہ ہوں . . . . . . یہ سب کُچھ آپ ہی کی جگہ تو کر رہا ہُوں اور ابھی بہت کُچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہُوں ۔

حاجی : میرا خیال ہے، میری اپنی زبان بھی ہے ۔ یہ باتیں میں بھی اِسی روانی سے کر سکتا ہُوں ۔ مجھے کسی ترجمان کی ضرورت نہیں . . . . . . اچھا دُوسرے کمرے میں ہمارے بیٹھنے کا بندوبست کرو ۔

لطیفن : نہیں نہیں شکریہ . . . . . . ہم اب میلے پر جا رہے ہیں۔ جلد ہی لوٹ آئیں گے۔

حاجی : موٹو . . . . ابے او موٹو . . . . او کم بخت کہاں مر گیا تھا تو ؟ امام دین سے کہو سواری کا بندوبست کرو۔

موٹو : حضور سواری ابھی چاہیئے ؟

حاجی : دفع ہو جا !

آٹھواں سین

(حاجی عبدالقدوس۔ کوکب۔ لطیفن۔ جمیلہ۔ شاہد اور ارشد)

حاجی : . . . . . . اوہ معاف کیجئے (ارشد پھل کاٹ رہے لاتا ہے) میں نے آپ کو پھل بھی تو پیش نہیں کئے . . . . روانگی سے پہلے اگر کچھ . . . .

شاہد : اوہو ابا جان آپ بے فکر رہیئے۔ میں نے ہوٹل میں آپ کا حساب کھلوا کر اورنج سکوائش، سیب اور کیک وغیرہ منگوا لیئے ہیں۔

حاجی : (لڑکھڑاتے ہوئے) ارشد !

ارشد : (اشارہ کرتے ہوئے) معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دماغ کا کوئی پرزہ ڈھیلا ہے۔

شاہد : کیا فرمایا ابا جان ! اتنا کچھ کافی نہیں تو اور منگوائے لیتے ہیں۔

کوکب : نہیں اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔

شاہد : محترمہ . . . . . آپ نے یہ ہیرا دیکھا ہے جو ابا جان نے پہن رکھا ہے، کتنا چمکیلا اور خوبصورت ہے !

کوکب : ہاں خوب ہے !

شاہد : (حاجی صاحب کے ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر کوکب کو دیتے ہوئے) اسے ذرا قریب سے ملاحظہ کیجئے۔

کوکب : واقعی بہت خوبصورت ہے بے شک ! (انگوٹھی واپس دینے کی کوشش کرتی ہے۔)

شاہد : (کوکب کو انگوٹھی پہنا کر) یہ آپ کے ہاتھوں میں کتنی خوب صورت معلوم ہوتی ہے . . . . ابا جان آپ کو یہ انگوٹھی تحفے کے طور پر دینا چاہتے ہیں۔

حاجی : ئیں !!! ؟

شاہد : اور کیا ؟ آپ یہ حقیر تحفہ انھیں اپنی محبت کی نشانی کے طور پر پیش کرنا نہیں چاہتے؟

کوکب : لیکن مجھے کوئی خواہش نہیں کہ . . . .

شاہد : آپ مذاق کر رہی ہیں . . . . . . وہ یہ تحفہ کسی صورت واپس نہیں لے سکتے .

حاجی : (ایک طرف ہو کر) میں پاگل ہو جاؤں گا۔

کوکب : یہ تو . . . . . .

شاہد : (کوکب کا ہاتھ پکڑتے ہوئے) اونہوں! اسے اُتاریئے مت! کسی کے تحفے کو یوں واپس نہیں کیا کرتے۔ وہ ناراض ہو جائیں گے۔

حاجی : (ASIDE) یا اللہ! آسمان کیوں نہیں پھٹ پڑتا ؟

کوکب : لیکن . . . .

شاہد : وہ آپ کے مسلسل انکار سے گھبرا رہے ہیں۔

حاجی : شہدے !

شاہد : دیکھئے وہ مایوس ہو رہے ہیں . . . . . . انکار نہ کیجئے !

حاجی : (آنکھیں نکالتے ہوئے) اُچکے !

شاہد : یہ میرا قصور نہیں ابا جان ! میں پوری کوشش کر رہا ہوں، لیکن انھیں منظور ہی نہیں۔

حاجی : تجھ پر قہر ٹوٹے !

شاہد : دیکھئے آپ میرے والد کی ناراضگی کا سبب بن رہی ہیں۔

حاجی : حرام خور !

شاہد : آپ انھیں بیمار ڈال دیں گی۔ . . . . . دیکھئے اب انکار نہ کیجئے مان بھی جائیے نا . . . . . پہن لیجئے اسے (زبردستی انگوٹھی پھر پہنا دیتا ہے)

لطیفن : لے ہے یہ کیا تماشا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر اتنی ہی خواہش ہے تو رکھ لونا ۔

حاجی : مگر نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ میری تو کوئی خواہش نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

شاہد : ابّا جان وُہ مان گئی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ اطمینان رکھئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بالکل فکر نہ کریں ۔

چھوٹو : (داخل ہوتے ہُوئے) حاجی صاحب ! آپ سے کوئی ملنے آیا ہے ۔

حاجی : میری طبیعت خراب ہے کہہ دو پھر کسی وقت آئے ۔

(موٹو بھاگتا ہُوا آتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حاجی صاحب سے ٹکر ہوتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حاجی صاحب دھڑام سے گرتے ہیں ۔)

حاجی : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُف ! آہ ! مر گیا !

شاہد : کیا چوٹ لگ گئی ابّا جان ؟

حاجی : اس بدمعاش کو میرے قرضداروں نے ضرُور میری گردن توڑنے کے لئے رشوت دی ہے !

شاہد : اوہو ! تو پھر کوئی خاص بات نہیں !

حاجی : او بدمعاش اندھے ! تجھے چاہیئے کیا تھا یہاں ؟

موٹو : حاجی صاحب ! میں یہ بتانے کے لئے آیا تھا کہ دو گھوڑوں کے نعل نہیں ہیں ۔

حاجی : انھیں فوراً نعل لگوانے کے لئے بھیج دو اور دفع ہو جا یہاں سے !

شاہد : اچھا اتنے عرصے میں میں آپ کو باغ میں لئے چلتا ہُوں ۔ ہوٹل سے کھانا بھی وہیں منگوا لیں گے ۔

نواں سین ۔

(حاجی عبدالقدوس اور ارشد)

حاجی : (ارشد، حاجی صاحب کو اُٹھا کر صوفے پر بٹھاتا ہے) ارشد !

ارشد : میں سب کچھ سمجھتا ہوں حاجی صاحب !

حاجی : آہ ! تم واقعی عقلمند ہو . . . . ورنہ اس بدمعاش بدبخت بیٹے نے تو مجھے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی !

تیسرا ایکٹ ختم ہُوا

چوتھا ایکٹ

پہلا سین :

(باغ . . . . شاہد، کوکب، لطیفن اور جمیلہ)

شاہد : چلیے اندر چلیں۔ اب وہاں کوئی نہیں ہوگا اور کھل کر باتیں ہو سکیں گی۔

جمیلہ : ارے بھیّا ! اتنی جلدی کیا ہے . . . . . چلتے ہیں . . . . . ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ شاہد بھائی مجھے اپنی محبت سے آگاہ کر چکے ہیں۔ اور مَیں آپ کے معاملے میں بے حد دلچسپی لے رہی ہُوں۔

کوکب : آپ کی ہمدردی کا شکریہ . . . . . خُدا کرے ہماری دوستی اور بھی مضبُوط ہو جائے۔

لطیفن : عجب بے وقوف لوگ ہو تم دونوں ! تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا ؟ مَیں یقینی طور پر تمھارا ساتھ دیتی . . . . . . میری بدقسمتی ہے یوں پھنس چکی ہوں کہ اب کچھ ہو ہی نہیں سکتا . . . . کوکب تم نے کیا فیصلہ کیا ہے ؟

کوکب : کوئی فیصلہ بھی نہیں کر سکی۔ خود مختار ہوتی تو اور بات تھی . . . . . . لیکن میرے دِل میں ایک تمنا ضرور ہے۔

شاہد : کیا تمناؤں کے علاوہ بھی تمھارے دِل میں میرے لئے کچھ ہے ؟ تھوڑی سی زندہ محبت ؟ ذرا سی ہمدردی یا کچھ بھی نہیں ؟

کوکب : شاہد ! تم خود ہی بتاؤ میں کیا کروں ؟ مَیں فیصلہ تم پر چھوڑتی ہوں . . . . . سوچو اگر تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے ؟

شاہد : اس طرح تو ہم کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ اگر تمھاری مجبُوریاں یونہی برقرار رہیں تو شاید ہمیں ان سے بھی زیادہ بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

کوکب : میرے دِل میں جو کچھ ہے وہ تو میں بیان نہیں کر سکتی اور شاید کوئی لڑکی بھی نہ کر سکے۔

میری مجبوریاں بھی تو دیکھو۔ مجھے آپ کے متعلق سوچنا ہے . . . . . . اُنھوں نے مجھے اتنی محبت سے پالا ہے۔ مَیں اُنھیں ناخوش کیسے کر سکتی ہوں . . . . . تم ان سے ملو۔ وُہ جو فیصلہ کریں گی مجھے منظور ہو گا۔

شاہد : میرا خیال ہے اس صورت میں تو بُوا لطیفن ہی کچھ مدد کر سکتی ہے۔

لطیفن : ارے میں تو خود ہی بہت نرم دِل ہُوں۔ تمھارے کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی . . . . . دوسروں کی اُلجھنیں رفع کرنا ہی میری زندگی کا مقصد ہے . . . . . . لیکن سوچنا تو یہ ہے کہ اس معاملے میں مَیں کیا کر سکتی ہُوں !

شاہد : تم سب کچھ کر سکتی ہو۔ ابھی تو کچھ بھی نہیں بگڑا۔ ذرا سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا ہو گا۔ بس پھر کوکب کو میرے علاوہ کوئی نہیں جیت سکے گا۔

کوکب : اُمید تو ہے کہ کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی۔

جمیلہ : تم نے جس طرح ابّا جان کا کام بنایا ہے۔ اُسی طرح بگاڑ بھی سکتی ہو۔

لطیفن : کام ذرا مشکل ہے . . . . جہاں تک تمھاری امی کا تعلق ہے انھیں میں راستے پر لا سکتی ہُوں . . . . . لیکن تمھارے باپ کو کون سمجھائے ؟

شاہد : اَب میں انکا کیا علاج کروں ؟

لطیفن : اگر کوکب نے شادی سے انکار کر دیا تو وہ یقیناً تمھارے خلاف ہو جائیں گے۔ اور کبھی تمھیں شادی کی اجازت نہیں دیں گے . . . . ہاں اگر حاجی صاحب اپنے فیصلے کو خود ہی بدل دیں تو پھر اس کام کے ہو جانے کی امید بندھ سکتی ہے۔

شاہد : ہُوں !

لطیفن : اگر کوئی دولت مند عورت ہاتھ آجائے جو حاجی صاحب سے شادی کرنے پر رضامند ہو تو اس طرح حاجی صاحب کا فیصلہ ہم یقیناً بدل سکتے ہیں۔ وُہ دولت کے لالچ میں آکر اس سے فوراً شادی کرنے پر رضامند ہو جائیں گے۔ اور کوکب کا پیچھا چھوڑ دیں گے . . . . انھیں کوکب سے محبت ضرور ہے لیکن عشق پیسے سے ہے !

شاہد : تجویز تو معقول نظر آتی ہے ۔ لیکن ایسی عورت کہاں سے آئے جو امیر بھی ہو اور اداکاری بھی جانتی ہو تاکہ حاجی صاحب کا دل موہ لے ۔

لطیفن : آہاہا ! میرے ذہن میں ایک ایسی عورت آگئی جو یہ کام یقیناً سرانجام دے گی . . . . وہ اس قدر چالاک ہے کہ حاجی صاحب تو کیا بڑے بڑوں کو اُلّو بنا دے ۔

شاہد : اگر یہ کام کر دو تو میں تمھارا بے حد ممنون ہوں گا ۔ تم اس عورت کو تیار کرو . . . . . . کوکب کی امی کو میں راضی کر لوں گا ۔

لطیفن : اچھا کوشش کرتی ہوں ۔

کوکب : اور مجھ سے بھی جو ہو سکا ، اس کے کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھوں گی

دُوسرا سین ۔

(حاجی ۔ شاہد ۔ کوکب ۔ لطیفن اور جمیلہ)

حاجی : (داخل ہوتے ہوئے) ہائیں ! اچھا تو یہ ٹھاٹھ ہیں ! میرا بیٹا اپنی ہونے والی ماں کا ہاتھ چُومتا ہے اور وہ اُسے کچھ نہیں کہتی ۔ خوب ! آہم !

جمیلہ : لو آبا جان بھی آ گئے !

حاجی : گاڑی تیار ہے ۔ آپ جب جانا چاہیں جا سکتے ہیں ۔

شاہد : میرا خیال ہے آپ تو نہیں جا رہے ان کے ساتھ ابا جان . . . . . میرا خیال ہے میں ہی انھیں چھوڑ آؤں ۔

حاجی : میرا خیال ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ نہیں جا رہے ۔ یہ تنہا بھی جا سکتی ہیں ۔ یا ارشد انھیں چھوڑ آئے گا . . . . (پُر معنی انداز میں) اور پھر مجھے تم سے ایک کام بھی ہے ۔

تیسرا سین ۔

(حاجی عبدالقدوس اور شاہد)

حاجی : شاہد ! تمہارا کوکب کے متعلق کیا خیال ہے . . . . میرا مطلب ہے سوتیلی ماں بنانے کے علاوہ ۔

شاہد : اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ آپ کی پسند ہے، آپ ہی جانیں۔

حاجی : میرا مطلب ہے کچھ اس کے حسن کے متعلق کچھ اس کی طبیعت کے بارے میں بتاؤ .... شاباش !

شاہد : ٹھیک ہے .... کچھ ایسا ٹھیک بھی نہیں ...... مگر خیر... !

حاجی : ذرا صاف صاف بتاؤ۔

شاہد : اگر واقعی آپ سچی بات پوچھنا چاہتے ہیں تو یہ میری سوتیلی ماں کے تصور کے بالکل برعکس واقع ہوئی ہے .... بے ڈول قسم کی شخصیت ...... بے ڈھنگا سا جسم اور دماغ بھی تو بالکل ہی گیا گزرا .... یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہا کہ آپ اس سے نفرت شروع کر دیں۔

حاجی : لیکن تم نے اس کی تعریف بھی کی تھی نا !

شاہد : تعریف تو میں نے آپ کو خوش کرنے کے لئے کی تھی۔

حاجی : تو تمھیں اس سے کوئی لگاؤ نہیں ؟

شاہد : توبہ کیجئے۔ توبہ کیجئے ! لگاؤ اور ایسی بے ڈھنگی عورت سے ! حد کرتے ہیں آپ بھی !

حاجی : سچ سچ۔ تو یہ تو واقعی بڑی افسوسناک بات ہوئی کیونکہ میں نے سوچا تھا کہ اسے تمھارے حوالے کر دوں۔

شاہد : ہائیں !

حاجی : میں نے اُسے دیکھا۔ اپنی عمر کا اندازہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ اتنی کم سن لڑکی سے شادی پہ لوگ نجانے مجھے کیا کچھ کہیں۔ اس لئے میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ...... لیکن یہ تو بہت بری بات ہوئی کہ تم اس کے اس قدر برخلاف ہو۔

شاہد : میں ؟

حاجی : ہاں تم !

شاہد : یعنی میں اس کے ساتھ شادی کر لیتا ؟

حاجی : ہاں ہاں ! مگر اب تو کوئی اور ہی علاج سوچنا پڑے گا۔

شاہد : لیکن اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے . . . . . . میں آپ کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم سمجھتا ہوں . . . . باپ کا اولاد پر آخر کچھ حق ہوتا ہے۔ کیا میں آپ کے لیئے اتنی معمولی قربانی بھی نہیں دے سکتا ؟

حاجی : لیکن میں بھی تو آخر باپ ہوں اور نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کی جائے ۔

شاہد : اس میں سختی کی کیا بات ہے ؟ میں اِسے اپنا فرض سمجھوں گا۔ باپ کی خوشی پورا کرنا ہر ایک بیٹے کے لیئے سعادت ہے ۔

حاجی : نہیں . . . . . . وُہ شادی جو کسی پابندی کی وجہ سے کی جائے اور محبت سے عاری ہو اُس کا انجام اچھا نہیں ہوتا ۔

شاہد : کہتے ہیں محبت شادی کا پھل ہے . . . . شاید یہ پھل آہی جائے ۔

حاجی : نہیں میں یہ خطرہ مُول نہیں لینا چاہتا . . . . ہاں اگر تمھیں اس سے مُحبت ہوتی تو سب ٹھیک تھا . . . . . . لیکن چُونکہ ایسا نہیں اس لئے مجبُوراً مجھے خود ہی اس سے شادی کرنا پڑے گی ۔

شاہد : اوہ اب مَیں ضبط نہیں کر سکتا ۔ مَیں اپنا دِل آپ کے رُو برُو کھول ہی دُوں تو بہتر ہے . . . . اَبّا جان جب سے مَیں نے اُسے دیکھا ہے اُسے دِل دے چکا ہُوں ۔ مَیں چاہتا تو یہ تھا کہ آپ سے شادی کی اجازت مانگوں ۔ لیکن آپ کی ناراضگی کے خیال سے مجبوراً خاموش رہا۔

حاجی : اچھا تو یہ بات ہے . . . . تم اس کے گھر گئے تھے ؟

شاہد : جی ہاں اَبّا جان ! کئی مرتبہ !

حاجی : اُنھوں نے تم سے کیسا سلوک کیا؟

شاہد : کافی اچھا . . . . میرا مطلب ہے بہت اچھا . . . . یعنی بغیر اس علم کے بغیر کہ میں کون ہُوں وُہ میری خاطر تواضع کرتے رہے ۔

حاجی : تو تم نے اظہارِ محبت کر دیا ؟

شاہد : جی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جی ابا جان !

حاجی : اور اس کی امی کو بھی اشارے سے سمجھا دیا ؟

شاہد : جی ہاں اباجان !

حاجی : کیا اس نے تمھاری پیش کش کو سُنا ؟

شاہد : جی ہاں ! بڑی شفقت سے۔

حاجی : کیا لڑکی کو بھی تم سے انس ہے ؟

شاہد : جی اباجان ! مجھے اس کا یقین ہے ۔

حاجی : ماشاء اللہ ! ماشاءاللہ ! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو باپ اور بیٹا دونوں ایک ہی خاتون سے عشق میں مصروف ہیں۔ فرزند یہی تو میں معلوم کرنا چاہتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آخر اُگلوا لیا نا ؟

شاہد : اچھا ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو آپ یہ سب کچھ مجھے پھنسانے کے لئے کہہ رہے تھے ! حد ہے مکّاری کی ! سُنیئے اباجان اگر آپ اس دغابازی سے باز نہیں آئیں گے تو یاد رکھیئے مَیں بھی آپ کو اس سے شادی نہیں کرنے دُوں گا۔

حاجی : (ایک دم غُصّے سے) بے حیا کے بچّے ! شرم نہیں آتی تجھ کو اپنی ہونے والی ماں سے عشق کرتا ہے !

شاہد : معاف کیجیئے ابا جان ! اپنی بہو سے عشق کرتے ہُوئے تو آپ کو چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہیئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب تو خواہ میری جان ہی چلی جائے میں باز نہیں آؤں گا، نہیں آؤں گا، نہیں آؤں گا !

حاجی : دیکھو شاہد انسانوں کی طرح مان جاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں تمھارا باپ ہُوں تمھیں میری عزت کرنا پڑے گی ۔

شاہد : لیکن میں تو بے حیا کا بچہ ہُوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے افسوس ہے مَیں اس معاملے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ محبت کسی کی عزت کا خیال نہیں رکھتی ۔

حاجی : اچھا یہ بات ہے ؟ برخوردار میری چھڑی بہت سے لوگوں کو آداب سکھا چکی ہے۔

شاہد : ابّا جان آپ کی دھمکیاں میرے لئے بے معنی ہیں۔

حاجی : لیکن میری چھڑی یقیناً بے معنی نہ ہو گی۔ . . . . تمھیں کوکب چھوڑنا پڑے گی۔

شاہد : ابا جان کیا باتیں کرتے ہیں آپ ؟ میں ساری دُنیا کو چھوڑ سکتا ہُوں۔ لیکن کوکب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ . . . . . ہرگز نہیں ہرگز نہیں ہرگز نہیں !

چوتھا سین۔

(حاجی عبدالقدوس، شاہد، چھٹّن خان)

چھٹّن خان: یہ باپ بیٹوں نے کیا آفت مچا رکھی ہے ؟

شاہد : آپ کی یہ دھمکیاں اب نہیں چلیں گی ابا جان . . . . اور نہ ہی مَیں اب ان سے ڈرنے والا ہُوں . . . . واضح رہے ! . . . . .
آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں ؟

حاجی : اُف اتنی بدتمیزی ! ایسی بے حیائی !

چھٹّن خان: حاجی صاحب خُدا کے لئے جانے دیجئے ! درگزر فرمایئے !

حاجی : ہٹ جاؤ میرے سامنے سے !

شاہد : مَیں ایک قدم بھی نہیں ہٹوں گا۔

حاجی : او بدتمیز کے بچے . . . .

چھٹّن خان: حاجی صاحب . . . . حاجی صاحب . . . . اگر یہ مُکّے اور چھڑیاں میرے لئے ہوتے تو اتنے قابلِ اعتراض نہ تھے . . . . . . انصاف سے کام لیجئے۔

حاجی : چھٹّن خان ! تم ہی فیصلہ کرو کہ میں صحیح ہوں، مَیں درست کہتا ہوں یا یہ نواب صاحب ؟

چھٹن خان: مجھے منظور ہے . . . . . . میں فیصلہ کرنے کے لیئے تیار ہوں۔ لیکن ذرا پرے ہٹ کر بات کیجئے۔

حاجی : مجھے ایک لڑکی سے محبت ہے اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں . . . . . یہ بدبخت میرے ذاتی معاملے میں ٹانگ اڑا رہا ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ یہ نابکار میرا ایک معمولی سا حکم ماننے سے انکار کرتا ہے . . . .

چھٹن خان: (ASIDE) یا اللہ! تو ہی رحم کر! مینڈکی کو بھی زکام ہونے لگا!

حاجی : کیا بیٹے کے لئے شرعاً اور اصولاً باپ کی رقابت قابلِ گردن زدنی نہیں؟

چھٹن خان: آپ بالکل بجا فرماتے ہیں . . . . . . ذرا پرے ہٹ کر بات کیجئے۔ میں ابھی ان سے بات کرتا ہوں۔

(شاہد کے پاس جاتا ہے)

شاہد : اگر وہ تمھیں منصف ماننے کے لئے تیار ہیں تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں!

چھٹن خان: یہ میری عزت افزائی ہوگی میرے آقا۔

شاہد : مجھے ایک لڑکی سے محبت ہے اور وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے . . . . . اس کے ساتھ ساتھ واضح رہے کہ وہ میرے ان ضعیف والد بزرگوار سے سخت نفرت کرتی ہے . . . . . . اب مصیبت یہ ہے کہ حضرت خود کو کبھی یوسفِ ثانی سے کم نہیں سمجھتے اور اسی سے شادی پر کمر باندھے بیٹھے ہیں۔

چھٹن خان: حاجی صاحب کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔

شاہد : اس عمر میں شادی کے متعلق سوچنا اگر پہلے درجے کی بے حیائی نہیں تو اور کیا ہے؟

چھٹن خان: آپ بجا فرماتے ہیں . . . . . . یہ بلاوجہ اس معاملہ میں ٹانگ اڑا رہے ہیں . . . . . . (ASIDE) میرے خیال میں اگر میں سیاست دانوں کا آزمودہ طریقہ کام میں لاؤں تو بہت اچھا ہو . . . . . . اگر ان سے یہ کہا جائے کہ آپ اپنے بیٹے سے اچھا سلوک کریں تو سب بات بن سکتی ہے اور ان کے لئے راہ صاف ہو جائے گی . . . . . (حاجی سے) یہ تو محض جوش میں آکر ایسی باتیں کر

رہے ہیں انھیں پیار سے سمجھایا جا سکتا ہے۔

حاجی : اچھا اگر ایسی بات ہے تو اسے کہو کہ کوکب کو چھوڑ دے۔ . . . . . بس . . . . پھر جہاں چاہے شادی کر لے مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ . . . . . ہم اس معاملے میں بہت فراخ دِل واقع ہُوئے ہیں۔

چھٹّن خان : (شاہد کی طرف جاتا ہے) کام بن گیا . . . . . . کام بن گیا . . . . . . دراصل وہ اتنے اُجڈ نہیں جتنا آپ سمجھے بیٹھے ہیں۔ . . . . . . اگر آپ ان کے ساتھ سخت کلامی نہ کریں اور عزت سے پیش آئیں تو . . . .

شاہد : چھٹّن خان! تم ان سے کہہ دو کہ اگر وُہ مجھے کوکب سے شادی کی اجازت دے دیں تو میں ان کی ہر بات مان لُوں گا اور انکی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کروں گا. . . . . . . لیکن شرط . . . . کوکب!

چھٹّن خان : (حاجی صاحب سے) خوش قسمت ہیں آپ! خوش قسمت ہیں! . . . . انھیں آپ کی سب باتیں منظور ہیں . . . . کیا فرماں بردار بیٹا پایا ہے آپ نے!

حاجی : اچھا؟ یہ تو سب ٹھیک ہے . . . . بہت خُوب!

چھٹّن خان : (شاہد سے) وہ آپکے ارادوں سے بالکل مطمئن ہو گئے ہیں۔ اب آپ ان سے مل کر صلح کر لیں تاکہ غلط فہمی دُور ہو جائے۔

شاہد : الحمدُ للہ . . . . یہ لو چھٹّن خان! (بخشش دیتا ہے)

چھٹّن خان : یہ تو کچھ بھی نہیں حضُور۔ کوئی اور خدمت!

حاجی : تم نے مجھے خوش کر دیا چھٹّن خان . . . . جی چاہتا ہے تجھے کچھ انعام دُوں . . . . (جیب میں ہاتھ ڈالتا ہے لیکن جب چھٹّن خان ہاتھ بڑھاتا ہے تو جیب میں سے ہاتھ سے رومال نکال کر زور سے ناک صاف کرتا ہے۔ اور رومال پھر جیب میں رکھ لیتا ہے۔)

چھٹّن خان : شکریہ . . . . . . شکریہ . . . . آداب . . . . آداب

. . . . . (بھاگ جاتا ہے)

پانچواں سین۔

(حاجی عبدالقدوس اور شاہد)

شاہد : اباجان ! میں اپنی گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔

حاجی : کوئی بات نہیں . . . . . . کوئی بات نہیں بیٹے . . . . . .

شاہد : میں سچ کہتا ہوں مجھے سخت افسوس ہے . . . .

حاجی : اِس کے برعکس مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ تم بڑے فرماں بردار ہو . . . . . . میں تمہاری دانائی سے بہت خوش ہوں۔

شاہد : توآپ نے میرا قصور معاف کر دیا ؟

حاجی : برخوردار ! بچوں کا کام قصور کرنا اور بڑوں کا کام معاف کرنا ہے۔

شاہد : تو گویا آپ کو کوئی اعتراض نہیں ؟

حاجی : بیٹے ! ادب اور فرماں برداری سے تمام اعتراضات مٹ جایا کرتے ہیں۔

شاہد : میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی یہ فراخدلی میرے دِل پر ہمیشہ نقش رہے گی۔

حاجی : بیٹے ! تم مجھ سے جو چاہو مانگ سکتے ہو . . . . میں تم سے بیحد خوش ہوں !

شاہد : آپ نے مجھے کوکب ہی دے دی، اَب میں اور کیا مانگوں . . . . . . مجھے تو دُنیا بھر کی خوشیاں مل گئیں۔

حاجی : ہائیں ! کیا کہا تُونے ؟

شاہد : میرا مطلب ہے کہ آپ نے مجھے کوکب دے کر سب کچھ ہی تو دے دیا . . . . .

حاجی : کوکب ؟ . . . . . . ہیں ؟ کس نے کہا تمھیں ؟ . . . . . . کوکب . . . .

شاہد : آپ ہی نے کہا تھا۔

حاجی : مَیں نے ؟ . . . . . . مَیں نے ؟

شاہد : یقیناً آپ نے!

حاجی : تو تمھارا مطلب کیا ہے؟ .... تم چاہتے کیا ہو؟ .... یہی وعدہ کیا تھا تم نے؟ .... تم نے تو ابھی اس سے قطع تعلق کرنے کا وعدہ کیا تھا!

شاہد : مَیں اس سے قطع تعلق کر لُوں؟

حاجی : ہاں ہاں! تم!

شاہد : ہرگز نہیں!

حاجی : تو تم نے ابھی تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑا؟

شاہد : قطعی نہیں! بلکہ میری محبت پہلے سے بھی زیادہ بڑھ چُکی ہے۔

حاجی : او نابکار! تیرے عشق کا بھُوت ابھی اُترا نہیں؟

شاہد : اس کے برعکس یہ سودا پہلے سے اب زیادہ تیز ہے۔

حاجی : (چھڑی سے دھمکاتا ہے) کندۂ ناتراش! تو میرے ہاتھ تو ....

شاہد : میرا فیصلہ اٹل ہے! آپ جو چاہیں کر لیں!

حاجی : اپنی منحوس شکل مجھے کبھی دکھانے کی جرأت نہ کیجیو۔ ناہنجار! دفع ہو جا یہاں سے!

شاہد : اوہ! چلا جاتا ہُوں ....

حاجی : اس گھر کے دروازے تجھ پہ بند ہیں .... ہمیشہ کے لیئے!

شاہد : دیکھا جائے گا!

حاجی : میں تجھے جائداد سے عاق کرتا ہوں!

شاہد : پرواہ نہیں۔

حاجی : میں تجھ پہ لعنت بھیجتا ہُوں۔

شاہد : شکریہ! .... مجھے آپ کے ان تحائف کی ضرورت نہیں!

چھٹا سین

(شاہد اور فتنہ)

فتنہ : (باغ سے داخل ہوتا ہے۔ اس کی بغل میں ایک صندوقچہ ہے) یہ بھی اچھا ہُوا کہ آپ یہیں مل گئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جلدی سے میرے پیچھے آئیے۔

شاہد : کیوں ؟ کیا بات ہے ؟

فتنہ : سوال و جواب کا موقع نہیں۔ چپکے سے میرے پیچھے چلے آئیے۔ بعد میں سب کچھ بتا دُوں گا۔

شاہد : مگر فتنے تم چاہتے کیا ہو ؟ تمھارا مطلب کیا ہے ؟

فتنہ : ابھی چلئیے حضُور !

شاہد : فتنے یہاں سے دفع ہو جا ورنہ مُنہ توڑ دوں گا۔ بس اس کی گنجائش باقی رہ گئی تھی جو تُو آن دھمکا !

فتنہ : کام بن گیا اُستاد ! کام بن گیا !

شاہد : ایں ؟

فتنہ : کم بخت سارے دن کی محنت کے بعد ملا ہے۔ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پاگل ہو چلا تھا میں تو !

شاہد : مگر اس میں ہے کیا ؟

فتنہ : نہیں سمجھے ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں سمجھے ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرے بھیّا حضُور کے بُڈھے کنجُوس اجڈ والد صاحب کا خزانہ ! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بڑی محنت سے چُرایا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سانپ بن کے بیٹھے ہُوئے تھے حاجی صاحب ! اپن بھی نیولے کی اولاد ہیں سرکار کچھ کم نہیں ! ہاں !

شاہد : مگر یہ سب ہُوا کیسے ؟

فتنہ : سب سُنا دوں گا۔ سب سُنا دوں گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فی الحال تو یہاں سے بھاگئیے۔ (بازو پکڑ کر کھینچتا ہے)

شاہد : ارے بابا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

فتنہ : اُف توبہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ارے بابا ! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چلئیے ۔ ۔ ۔ ۔ وہ

حضرت یہاں آن پُہنچے تو؟ . . . . بس چلئے، بھاگئے! . . . . .
یُوں!

ساتواں سین

(حاجی عبدالقدوس)

حاجی : چور! چور! ——— قتل ہوگیا میرے پروردگار! ——— میں مارا گیا.
. . . . لُوٹا گیا . . . . میں تباہ ہوگیا! چھُری چل گئی میرے گلے
پہ! میری دولت . . . . میری دولت! لُٹ گئی . . . . . لُوٹ
لی گئی! . . . . ہائے ——— یہ کس کا کام ہوسکتا ہے . . . . .
یہ کس کا کام ہوسکتا ہے؟ ——— وہ کہاں ہے؟ اسے ڈھونڈھو! . . . .
وُہ . . . . وُہ کہاں چھپا بیٹھا ہے؟ . . . . اُسے ڈھونڈھو!
——— آہ! کہاں جاؤں؟ . . . . . کیا کروں . . . . . . کیا نہ کروں
. . . . . وہ یہاں نہیں ہے . . . . نہیں ہے . . . . . . یہاں بھی نہیں ہے
. . . . . وہ کہاں ہے؟ ——— (میز اُلٹ پلٹ کرتے ہُوئے اپنا بازو پکڑ
لیتا ہے) ٹھہرو! بدمعاش ناہنجار! چور چور! پکڑ لیا! (بازو کھینچتا ہے اور
گر پڑتا ہے) افوہ! یہ تو مَیں تھا . . . . مجھے کیا ہوگیا ہے . . . . مجھے
کیا ہوگیا ہے؟ . . . . . میں نہیں جانتا مجھے کیا ہوگیا ہے ——— آہ!
میری دولت! میری عزیز ترین دولت . . . . مگر یہ سب ہُوا
کیوں . . . . کیا اس دُنیا میں کوئی ایسا نہیں جو میری دولت مجھے لوٹا دے؟
. . . . یہ کون تھا؟ کیا کوئی بھی نہیں تھا؟ . . . . نہیں کوئی تھا! . . . میں
تمام گھر کو پولیس کے حوالے کردوں گا. نوکر . . . . بیٹا . . . . بیٹی . .
. . . خود کو بھی! . . . . . کوئی بھی تو ایسا نہیں جس پر میں شک کروں . . .
نہیں مجھے سب پر شک ہے! . . . . مجھے ہر شخص چور معلوم ہوتا ہے . . .
ایسا معلوم ہوتا ہے ہر ایک نے مجھے لُوٹا ہے ——— یہ شور کیسا ہے؟

یہ لوگ کس کا ذکر کر رہے ہیں؟ کیا اس ڈاکو کا ؟ . . . . . کیا وہ ڈاکو وہاں ہے؟ ——— خُدا کے لئے اگر تمھیں اس کا کچھ علم ہے تو بتا دو . . . . وہ تم میں تو نہیں جا چُھپا ؟ ——— تم مجھے گھُورتے ہو ——— تمھیں معلُوم ہو جائے گا . . . . . . مَیں تم سب سے نپٹ لوں گا ——— اس میں ان سب کا ہاتھ ہے ! ——— جلد آؤ . اے پولیس والو ! تھانیدارو ! بھاگو اے پھانسی دینے والو ! بھاگو ——— ہاں ! میں تمام دُنیا کو پھانسی دے دوں گا . . . . . . اور اگر روپیہ نہ ملا تو خود پھانسی پر چڑھ جاؤں گا .

(گر پڑتا ہے)

چوتھا ایکٹ ختم ہُوا

پانچواں ایکٹ

(حاجی عبدالقدوس۔ سراغرساں عبدالباقر اور اس کا اسسٹنٹ واٹسن)

باقر : حاجی صاحب آپ یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں اپنے کام سے خوب واقف ہوں اور اس سے بڑی بڑی وارداتوں کا چٹکیوں میں سراغ لگا لیا۔۔۔۔۔۔ کاش میرے پاس اتنے ہی دس کے نوٹ ہوتے، جتنی وارداتوں کا میں سراغ لگا چکا ہوں! کیوں واٹسن!

واٹسن: خدا نصیب کرے! خدا نصیب کرے!

حاجی: آپ کو اس کے لئے واقعی محنت کرنی پڑے گی۔ ہاں! اگر میری دولت نہ ملی تو میں آپ کا لائسنس کینسل کرا دوں گا سمجھے؟ کیوں واٹسن؟

واٹسن: یس سر۔۔۔ ویری گڈ سر

باقر: اچھا تو اس صندوق میں کتنا روپیہ تھا؟

حاجی: دس لاکھ روپیہ!

باقر: دس لاکھ روپیہ!

واٹسن: ڈکیتی تو بہت بڑی ہے واقعی!

حاجی: اس مجرم کے لئے تو پھانسی بھی کافی نہیں۔

واٹسن: اس لئے اسے رہا کر دیا جائے؟

باقر: شٹ اپ واٹسن۔۔۔۔۔۔ کون سے نوٹوں میں تھا آپ کا سرمایہ؟ میرا مطلب ہے۔۔۔۔۔۔ سائز؟

حاجی: سو سو کے نوٹوں میں!

باقر: آپ کا شبہ کس پر ہے؟

حاجی: سب پر!

باقر : پھر بھی ؟

حاجی : گھروالوں پر ! . . . . . . آس پاس کے لوگوں پر ! . . . . . تمام شہر پہ ! . . . .
میری مانیئے تو سب کو قید کر لیجئے ۔

باقر : میری بات سُنیئے . . . . . کسی کو ڈرائیے نہیں . . . . . چپ چاپ ثبوت حاصل
کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ثبوت مِل گیا تو رقم بھی مل جائے گی ۔

دُوسرا سین

(حاجی ، باقر ، والٹن ، چھٹن خان)

چھٹن خان : (داخل ہوتے ہُوئے) مَیں ابھی آتا ہُوں . . . . . گلا کاٹ کر پانی میں اُبال لو ۔

حاجی : گلا ! کس کا ؟ چور کا ؟

چھٹن خان : جی نہیں مُرغی کا ۔ جو ارشد نے بھیجی ہے کہ آپ کے لیئے تیار کی جائے ۔

حاجی : لعنت بھیجو اس پر ! ہم کسی اور امر کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں . . . . . یہ تم سے
بات کرنا چاہتے ہیں ۔ (چھٹن خان ڈر جاتا ہے)

باقر : ڈرنے کی کوئی بات نہیں . . . . . . تمھارا نام کیا ہے ؟ آرام سے گفتگو کرو ۔

چھٹن خان : چھٹن خان باورچی اور کوچوان ! . . . . کیا آپ کھانے پر تشریف لا رہے ہیں ؟

حاجی : اس معاملے میں سب کچھ صاف صاف بتا دو . . . . کوئی چیز مت چھپاؤ ۔

چھٹن خان : مَیں آپ کو یقین دلاتا ہُوں کہ آپ جو کچھ بھی کہیں ، میں تیار کر سکتا ہُوں ۔

والٹن : دِس از نوٹ دی کوئسچن !

چھٹن خان : اگر میں آپ کو خالص گھی کھلانا چاہتا ہُوں اور نہ کِھلا سکوں تو اس کا قصوروار مَیں
نہیں ارشد ہے ۔ جس کی کنجوسی نے میرا بیڑہ غرق کر رکھا ہے ۔

حاجی : نابکار ! یہ کام کھانے سے زیادہ اہم ہے ۔ میری چوری شدہ دولت کے متعلق بات کر !

چھٹن خان : ہائیں ! آپ کی دولت چوری ہو گئی ؟

حاجی : ہاں او ناہنجار ۔ اگر تُو نے ابھی واپس نہ کی تو تجھے فی الفور پھانسی لگوا دُوں گا ۔

باقر : گالیاں نہ دیجئے ۔ اس کا چہرہ ہی اس کی ایمانداری کی ضمانت ہے ۔ یہ ہمیں خود ہی سب

کچھ بتا دے گا۔ . . . . ہاں میرے دوست اگر تم چوری کا اقرار کر لو تو تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا اور تمھارے آقا بھی تمھیں معاف کر دیں گے . . . . ہاں ہاں شاباش ! . . . . . . ان کی دولت آج لوٹ لی گئی اور تمھارے علاوہ کسی کو معلوم نہیں کہ چور کون ہے ۔

واٹسن : یس سر ! ٹیل دی ٹرتھ ۔ نو پنشمنٹ ۔

چھٹن خان : (ASIDE) ہاہا ! اب میرے ہاتھ ارشد سے بدلہ لینے کا موقع آیا ہے ۔ کم بخت نے ناک میں دم کر رکھا ہے ! . . . . آج مزا چکھاؤں گا ! گن گن کر بدلے نہ لئے تو نام چھٹن خان نہیں !

حاجی : یہ کیا سوچ رہا ہے ؟

باقر : اسے اطمینان سے سوچنے دیجئے . . . . میں نے آپ کو بتایا تھا ، کہ آدمی ایماندار ہے ۔

چھٹن خان : اگر آپ میرے کہنے پر یقین کریں تو میں یہ کہوں گا کہ یہ روپیہ . . . . . . ارشد نے چرایا ہے ۔

حاجی : ارشد !

چھٹن خان : جی ہاں !

حاجی : وُہ تو مجھ سے وفاداری جتاتا تھا ۔

چھٹن خان : اسی لئے تو اُس نے آپ کو لوٹا ہے ۔

حاجی : مگر یہ یقین تمھیں کیسے ہُوا ؟

چھٹن : یہ یقین . . . . یہ یقین ؟

واٹسن : یس ! دِس بی لیف !

چھٹن : مجھے اس کا یقین ہے . . . . . کیونکہ مجھے اس کا یقین ہے ۔

واٹسن : ناؤ نسنس !

باقر : لیکن یہ بتانا نہایت ضروری ہے کہ اس کا یقین تمھیں کیسے ہُوا ؟

حاجی : کیا تم نے اُس جگہ کے آس پاس اُسے چکر کاٹتے دیکھا تھا ؟

چھٹن : یقینی بات ہے ! . . . . . . معاف کیجئے آپ کا پیسہ کہاں تھا ؟

حاجی : باغ میں !

چھٹن : باغ میں نا ! میں نے اُسے کئی دفعہ باغ میں پھرتے دیکھا ہے . . . . آپ کا پیسہ تھا کس چیز میں ؟

حاجی : صندوقچہ میں !

چھٹن : صندوقچہ میں نا ؟ ہاں ہاں . . . . . . میں نے اُسے کئی دفعہ . . . . . میرا مطلب ہے میں نے اُسے ایک صندوقچہ کے ساتھ بھی دیکھا ہے . . . . . . میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک صندوقچہ تھا ۔

باقر : اس صندوقچہ کی بناوٹ کیسی تھی ؟

چھٹن : بناوٹ کیسی تھی ؟

واٹسن : یس ! بناوٹ کیسی تھی ؟

چھٹن : اس کی بناوٹ ؟ . . . . اس کی بناوٹ صندوقچوں جیسی تھی ۔

باقر : یقیناً ! مگر اس کی کوئی خاص نشانی بتاؤ ۔

چھٹن : ارشد کے ہاتھ میں ایک بڑا سا صندوقچہ تھا ۔

حاجی : مگر میرا صندوقچہ تو چھوٹا سا تھا !

چھٹن : صندوقچہ تو چھوٹا ہی تھا لیکن . . . . .

واٹسن : اس کا رنگ کیسا تھا ؟ ریڈ ؟ پرپل یا سی گرین ؟

چھٹن : رنگ کیسا تھا ؟ . . . . . . ہاں ہاں ! اس کا ایک رنگ بھی تھا تو مگر مجھے یاد نہیں ۔ (حاجی سے) کیا آپ اس سلسلے میں میری مدد کریں گے ؟

حاجی : ہائیں !

چھٹن : سُرخ تو نہیں تھا ؟

حاجی : نہیں سلیٹی تھا !

چھٹن : ہاں ہاں۔ سُرخی مائل سیلیٹی! یہی تو میں آپ سے کہنا چاہتا تھا۔
حاجی : اب شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ یقیناً یہ میرا ہی صندوقچہ تھا۔ اس کا بیان قلم بند کیجئے۔
واٹسن : بائی آل مینز سر!
چھٹن : لیجئے وہ خود ہی تشریف لا رہے ہیں۔

تیسرا سین

(حاجی عبدالقدوس۔ عبدالباقر۔ چھٹن خان۔ واٹسن اور ارشد)

حاجی : (ارشد کو دیکھتے ہوئے) ادھر آ بدمعاش! اور آکر اپنے سنگین جرم کا اعتراف کر!
ارشد : یہ آپ کیا کہہ رہے حاجی صاحب!
حاجی : دغاباز! تجھے اپنے جُرم پر شرم تک نہیں آتی؟
ارشد : آپ کس جُرم کی بات کر رہے ہیں حاجی صاحب!
حاجی : بدمعاش! میں کس جُرم کی بات کر رہا ہوں؟ جیسے تجھے خبر ہی نہیں! یہ دغا بازی کام نہیں آنے کی۔ مجھے تمام راز معلوم ہو چکا ہے۔
ارشد : اگر آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے تو میں کچھ چھپانے کی کوشش نہیں کروں گا۔
چھٹن : اوہ! شکر ہے میرا اندازہ درست نکلا!
ارشد : مَیں اس کے متعلق پہلے ہی آپ سے بات کرنا چاہتا تھا۔ صرف موقع کی تلاش میں تھا۔ . . . . اگر آپ ناراض نہ ہوں تو عرض کروں۔
حاجی : اب کیا کہنا چاہتا ہے؟ ذلیل ناہنجار!
ارشد : آہ! حاجی صاحب! میں ان گالیوں کا مستحق نہیں . . . . . . یہ درست ہے کہ میں آپ کی تکلیف کا موجب بنا۔ لیکن میرا جرم یقیناً قابلِ معافی ہے!
حاجی : قابلِ معافی! یہ دولت کا جھٹکا؟ یہ جرم کبیرہ؟
ارشد : ناراض مت ہوجیئے۔ . . . . . آپ کو سننے کے بعد معلوم ہوگا کہ نقصان اتنا عظیم نہیں جتنا آپ سمجھے بیٹھے ہیں۔

حاجی : نقصان اتنا عظیم نہیں ! ارے میرا خونِ جگر ! میری زندگی چوری کرنے کے بعد یہ سینہ زوری ؟

ارشد : آپ تو خوامخواہ غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں ۔

حاجی : خدارا جو کچھ تم نے لوٹا ہے واپس مجھے لوٹا دو ۔

ارشد : آپ مطمئن رہیئے !

حاجی : اس میں مطمئن رہنے کی کون سی بات ہے . . . . . . مطمئن رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا . . . . میں پوچھتا ہوں تمھیں اس منحوس راہ پر لگایا کس نے ؟

ارشد : ایک دیوتا نے جو ہر کام کے لئے بہانہ تلاش کر لیتا ہے محبّت کا دیوتا !

والٹسن : (ہاتھ سے) کیوپڈ !

حاجی : محبت کا دیوتا ؟

ارشد : جی ہاں !

حاجی : خوب محبت ہے . . . . . . اشرفیوں کی محبّت !

ارشد : نہیں آپ کی امارت نے نہ میری آنکھوں کو چند ھیایا ہے اور نہ ہی مجھے اس کی پرواہ ہے بس جو چیز میرے پاس پہلے سے موجود ہے ۔ وہ آپ نہ لیں ۔

حاجی : مجھ سے پہیلیوں میں باتیں مت کرو . . . . میں یہ دولت کسی طور تمھارے پاس نہ رہنے دوں گا . . . . ناہنجار ! میری چوری کی ہوئی دولت پر قبضہ جماتا ہے ؟

ارشد : آپ اسے چوری کہتے ہیں ؟

حاجی : ارے پاجی چوری نہ کہوں تو اور کیا کہوں ؟ آہ میری دولت ! آہ میرا خزانہ !

ارشد : یہ سب تو ٹھیک ہے کہ یہ ایک بیش قیمت خزانہ ہے ۔ لیکن اگر آپ یہ مجھے دے دیں، تو آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا . . . . . . میں آپ سے اس عزیز خزانے کے لئے التجا کرتا ہوں ۔

حاجی : یہ کیا بکواس ہے ؟ اس کا مطلب کیا ہے ؟

ارشد : ہم نے مرتے دم تک ایک دوسرے کا ساتھ دینے کی قسم کھائی ہے . . . . محبت کا وعدہ کیا ہے

حاجی : ایں ؟

ارشد : حاجی صاحب ! ہم نے ایک دوسرے سے عمر بھر کا پیمان کر رکھا ہے۔

حاجی : مگر میں یہ کبھی بھی نہیں ہونے دوں گا ! ہوں پیمانِ وفا !

ارشد : موت کے سوا ہمیں اور کوئی طاقت جدا نہیں کر سکتی۔

حاجی : تم تو میرے پیسے کے پیچھے شیطان کی طرح پڑے ہو!

ارشد : میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ آپ کا خیال درست نہیں۔ میرا دل کبھی لالچ کا شکار نہیں ہوا۔

حاجی : گویا تم نے میری جائداد خیرات کے طور پر لی ہے نا ؟ میں یہ قصہ ہی ختم کر دوں گا انصاف ہو کر رہے گا۔

ارشد : میں تمام مصیبتیں برداشت کرنے کے لیئے تیار ہوں۔ لیکن اس سے پہلے کہ آپ کوئی سخت قدم اٹھائیں، بس میری ایک بات مان لیں۔ یہ سب قصور میرا ہے، آپ کی بیٹی کا نہیں۔

حاجی : آہ ! میں اپنی دولت دیکھنے کے لیئے تڑپ رہا ہوں . . . . . . جلدی لاؤ کہاں ہے وہ ؟ کم از کم یہ تو بتا دو کہ کہاں لے گئے تھے تم اسے ؟

ارشد : لے گیا ؟ میں اسے کہیں بھی نہیں لے گیا۔ وہ اسی گھر میں ہے۔

حاجی : وہ اسی گھر میں ہے تو پھر مجھے اتنا بتا دو تم نے اس کے ساتھ کوئی ناشائستہ حرکت تو نہیں کی ؟

ارشد : میں اور ناشائستہ حرکت کروں ؟ حاجی صاحب آپ ہم دونوں کو غلط سمجھ رہے ہیں ہماری محبت پاکیزہ ہے۔

حاجی : خوب !

حاجی : خوب !

ارشد : اس قسم کی حرکت سے تو میں موت کو بہتر سمجھتا ہوں۔ اس میں اتنی خوبیاں ہیں کہ اس کے متعلق ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

حاجی : ہائے میری حسین دولت کی خوبیاں۔ ہائے میرے جگر کے ٹکڑوں کی خوبیاں !

ارشد : آہ وہ آنکھیں ! وہ محبت بھری نظریں ! وہ محبت بھری نظریں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ بھولا بھالا معصوم چہرہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ کالی رات جیسی سیاہ زلفیں !

حاجی : ایں ؟

باقر : حاجی صاحب معاف فرمائیے آپ کے نوٹوں اور سیونگ سرٹیفیکیٹس پر کسی ایکٹرس کی تصویر تو نہیں چھپ گئی غلطی سے ؟

ارشد : لطیفن کو سب حقیقت معلوم ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ اس کی گواہی دے سکتی ہے ۔

حاجی : کیا کہا ؟ وہ چڑیل لطیفن بھی شریکِ جرم ہے ؟

ارشد : جی ہاں ! وہ ہماری ملاقاتوں کی گواہ ہے اور اسی کی مدد سے تو یہ سارے عہدو پیمان ہوئے ہیں۔

حاجی : (ASIDE) یہ کم بخت ضرور پھانسی کے خوف سے دیوانہ ہو گیا ہے، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جانے کیا واہی تباہی بک رہا ہے۔

ارشد : کیا معلوم آپ کو کہ مجھے اس راہ میں کیا مشکلیں اٹھانا پڑی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کتنی شرمیلی ہے وہ !

حاجی : اُف میرے اللہ ! آخر کون ؟

ارشد : آپ کی بیٹی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن بالآخر اس نے مجھ سے شادی کا وعدہ کر لیا ہے۔

حاجی : میری بیٹی نے تم سے شادی کا وعدہ کر لیا ہے؟

ارشد : جی ہاں ! اب صرف آپ کی اجازت کی ضرورت ہے۔

حاجی : او خدایا ! میری عزت بھی لٹ گئی ؟

واٹسن : (باقر سے جو سب کچھ لکھ رہا ہے) جلدی کیجئے سر! جلدی!
حاجی : جناب اس کا وارنٹ لکھئے۔ اسے قید کیجئے! اس چور دغا باز مار آستین کا وارنٹ لکھئے۔
ارشد : (ASIDE) آہ مجھ پر کیسے کیسے الزام عائد کئے جا رہے ہیں ...... کاش انھیں معلوم ہو جائے کہ میں کون ہوں۔

چوتھا سین۔

(حاجی عبدالقدوس۔ عبدالباقر واٹسن۔ چھٹن خان، ارشد لطیفن، کوکب۔ جمیلہ اور حمید)

حاجی : ادھر آ او ذلیل لڑکی! نالائق تیرا باپ تو اتنا عقلمند ہے اور تُو ایسی بے وقوف ...... کیا یہی طریقہ تھا میری نصیحتوں پر عمل کرنے کا؟ تُو نے مجھے بدنام کر کے رکھ دیا...... خود کو بدنام کیا...... اپنے خاندان کی ناک کٹوا دی۔ اس کمینے چور سے محبت کر کے...... اور تو اور شادی...... مجھ سے پوچھے بغیر شادی کا وعدہ تک کر لیا! خدا کسی کو ایسی بیٹی نہ دے! تیرا گلا تو پیدا ہوتے ہی گھونٹ دینا چاہیئے تھا۔ ...... خیر اب تم دونوں کو پچھتانا پڑے گا...... تیرا علاج تو میں نے سوچ رکھا ہے۔ ابھی کرتا ہوں اندھیری کوٹھڑی میں بند!...... اور تیرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائی جائیں گی...... پھر تو میری خوشی کا اندازہ نہ ہو سکے گا!
ارشد : آپ کے غصے سے کیا بنتا ہے حاجی صاحب! جمہوریت کا زمانہ ہے۔ میں فوراً دعوے دائر کر دوں گا۔
حاجی : اچھا! میں پھانسی کا ذکر بھولے سے کر گیا...... تجھے پھانسی نہیں دی جائیگی زندہ دفن کر دیا جائے گا۔ زندہ دفن۔ ہاں!
جمیلہ : ابا جان! رحم کیجئے...... انصاف کیجئے...... کوئی باپ

اپنی بیٹی پر اتنا ظلم نہیں کر سکتا . . . . . . اپنے غصے کو قابو میں رکھئے۔ سوچ سمجھ کر قدم اُٹھائیے . . . . . . ارشد ایسا آدمی نہیں ہے . . . . . کاش آپ کو یہ معلوم ہو کہ وہ کون ہے تو پھر آپ کبھی ایسی باتیں نہ کریں . . . . . . ابّا جان ! ارشد نے میری جان بچائی ہے . . . . . . مجھے سمندر کی خوفناک لہروں سے بچایا ہے۔ ورنہ آپ کی بیٹی آج زندہ نہ ہوتی ۔

حاجی : لیکن جو حرکت اس نے کی ہے اور اس کے باوجود تم نے اس کے ساتھ جو وعدہ کر لیا ہے اس سے تو بہتر یہی تھا کہ تم ڈوب مرتیں !

جمیلہ : ابّا جان ! میں اپنی محبت کا واسطہ دیتی ہوں ۔

حاجی : خاموش نابکار ! میں کوئی بات سُننے کے لئے تیار نہیں ۔ انصاف ہو کر رہیگا ۔

چھٹّن خان : (ارشد سے ASIDE) بس یہی بدلہ ہے میری ٹھکائی کا !

لطیفن : (مرزا حمید کے ساتھ اندر آتے ہُوئے) ہائیں ! یہ کیا ہو رہا ہے ؟ یہاں تو نقشہ ہی بدلا ہُوا ہے !

پانچواں سین

(حاجی عبدالقدوس + تمام کردار)

مرزا حمید : حاجی صاحب ! خیریت تو ہے . . . . بڑے پریشان نظر آ رہے ہیں آپ !

حاجی : مرزا صاحب ! مَیں لُٹ گیا ! . . . . میں دُنیا کا بدقسمت ترین اِنسان ہُوں . . . . مجھے اور میری عزت کو تباہ کر دیا گیا ہے . . . . میری دولت لوٹ لی گئی ہے . . . . اور یہ ہے وہ کُچا نابکار ! . . . . . . اس کندۂ ناتراش نے مجھے لُوٹ لیا۔ مجھے تباہ کر دیا . . . . میرا گھر لوٹ لیا۔ مجھے تباہ کر دیا . . . . . . میرا گھر لوٹ لیا ، میری عزت لُوٹ لی . . . . اس نے میری جائیداد لُوٹ لی . . . . میری بیٹی کو اپنی محبت کے جال میں پھنسانے کی کوشش کی ہے !

ارشد : کیا واہیات من گھڑت قصہ ہے ! آپ کے پیسے کی پرواہ ہی کون کرتا ہے !

حاجی : اِن دونوں نے آپس میں شادی رچانے کا فیصلہ کر لیا ہے ۔ اس گستاخی سے آپ کو بھی نقصان پہنچا ہے ۔ آپ کو اس دغا بازی کا بدلہ لینا چاہیئے !

مرزا حمید : میں زبردستی شادی کرنا نہیں چاہتا . . . . کسی کی محبت اور کسی کا حق چھیننے کے لیئے میں ہرگز تیار نہیں ۔

حاجی : (باقر سے) جناب آپ مقدمہ تیار کیجئے . . . . اسے قید کیجئے . . . . . اسے تختۂ دار سے کوئی نہیں بچا سکتا ۔ ہاں !

ارشد : آپ کی بیٹی سے محبت کرنا کوئی جُرم نہیں ہے . . . . مجھ پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا اور جب آپ کو معلوم ہوگا کہ میں کون ہوں تو . . . .

حاجی : میں اِن افسانوں کو سننے کے لئے ہرگز تیار نہیں . . . . تیرے جیسے خود ساختہ نوابوں سے دُنیا بھری پڑی ہے ۔ یہ قصے کسی اور کو سُنانا ۔

ارشد : میں قطعاً دغابازی سے کام نہیں لے رہا ۔ میں اپنی کہانی آپ کو سناؤں تو . . . . . .

مرزا حمید : ذرا سوچ سمجھ کر بات کیجئے گا ۔ آپ ایک ایسے شخص کے سامنے کھڑے ہیں جسے جو کہانی بھی سُنا دی جائے گی، وہ نجومی اس کی حقیقت کو فوراً پالے گا !

ارشد : مجھے کسی کا خوف دامن گیر نہیں . . . . اگر یہاں جوناگڑھ کا کوئی رہنے والا ہو تو وہ نواب محمد سلیم خان کو ضرور جانتا ہوگا ۔

حاجی : میں کسی نقلی نواب کی پرواہ نہیں کرتا . . . . مجھے اپنا روپیہ چاہیئے ۔

مرزا حمید : خاموش رہیئے حاجی صاحب ! . . . . معاف کیجئے میں درشتی سے بولا . بات ہی کچھ ایسی ہے . . . . انھیں بات کر لینے دیجئے ۔ ابھی جھوٹ سچ سب معلوم ہو جائے گا . . . . ہاں تو آپ کیا کہنا چاہتے تھے ؟

ارشد : میں کہنا چاہتا ہُوں کہ میں اُن ہی کا بیٹا ہُوں ۔

مرزا حمید : نواب محمد سلیم خان کا ؟

ارشد : جی ہاں !

مرزا حمید : خود کو بچانے کے لیئے کسی اور مکاری سے کام لیجئے ۔ یہ من گھڑت افسانہ ہے ۔
ارشد : آپ بات کرنے کا سلیقہ سیکھئے ۔ میں نے جو کچھ کہا ہے ثابت کر سکتا ہُوں کہ سچ ہے ۔
مرزا حمید : اچھا تو آپ خود کو نواب محمد سلیم کا بیٹا کہتے ہیں ؟
ارشد : ہاں ! میں دعوے سے کہتا ہُوں ۔
مرزا حمید : آپ کی چالاکیوں کا جواب نہیں مل سکتا ۔ میں آپ کی غلط فہمی دُور کر سکتا ہُوں ۔ سُنیئے ! آج سے سولہ برس پہلے کی بات ہے کہ نواب سلیم جن کا آپ ابھی ذکر کر رہے تھے ۔ بمبئی جاتے ہُوئے ان کا جہاز طوفان کی نذر ہو گیا ، اور ان کا تمام خاندان غرق ہو گیا ۔ سمجھے !
ارشد : مَیں یہ سب کچھ جانتا ہُوں ۔ لیکن آپ کو شاید علم نہیں کہ ان کے سات سالہ بیٹے اور نوکر کو ملاح نے بچا لیا تھا ۔ یہ وہی بیٹا ہے جو آپ سے گفتگو کر رہا ہے ۔ بعد میں جہاز کے کپتان نے مجھے اس ملاح سے لے کر اپنے بیٹے کی طرح پالا ۔ تین سال پہلے مجھے کہیں سے خبر ملی کہ میرے والد زندہ ہیں ۔ میں فوراً ان کی تلاش میں چل نکلا ۔ لیکن میری قسمت کہ وہ مجھے کھینچ کر جمیلہ کے پاس لے آئی ۔ اور اس کی محبت نے مجھے اس گھر میں رہنے پر مجبُور کر دیا ۔ اب مَیں نے اپنے خدمت گار کو اپنے والدین کی تلاش میں بھیج رکھا ہے ۔ کاش ان کی جلد ہی کوئی خبر مل جائے !
مرزا حمید : آپ اِن باتوں کا کوئی ٹھوس ثبوت پیش کر سکتے ہیں ؟
ارشد : میرے والد کی یہ گھڑی ، میری والدہ کا دیا ہُوا ایک تعویذ اور ہمارا خدمت گار اِن باتوں کا جیتا جاگتا ثبوت ہے ۔
کوکب : (بے قابو ہو کر) آپ یقیناً جھوٹ نہیں بول رہے ۔ اِن سب باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ آپ . . . . آپ میرے بھائی ہیں ۔ . . . . . . بھیا !
ارشد : تو کیا تم میری بہن ہو . . . . . میری ننھی بہن کوکب ہو ؟

کوکب : جی ہاں ! . . . . یہ باتیں سنتے ہی میں جان گئی تھی . . . . امّی نے
کئی بار ہمارے خاندان کی دردبھری کہانی سُنائی تھی . . . . . . آہا امی آپ کو دیکھ
کر کتنی خوش ہوں گی . . . . خُدا نے ہمیں بھی اس طوفان سے بچا لیا
تھا . لیکن ہم دس سال بحری ڈاکوؤں کی قید میں رہے . ان سے آزاد ہونے کے بعد
ہم بالکل تنہا رہ گئے تھے . . . . جُوں توں کر کے ہم کراچی پہنچے لیکن ہماری
جائداد بِک چکی تھی . اور ہمارے والد کا کوئی پتہ نہ چلتا تھا . . . . . اب ہم
یہاں رہ کر زندگی کے دِن پُورے کر رہے تھے کہ . . . .

مرزا حمید : یا خُدا ! تیری رحمت کا اندازہ ہی نہیں ! ایسے معجزے دکھانے کی طاقت
سوا تیرے اور کسی کے پاس نہیں . . . . میرے بچو ! . . . . . .
میرے بچو ! . . . . میرے پاس آؤ . . . . . . میں ہی تمھارا بدنصیب
باپ ہُوں !

کوکب : ابا جان !

ارشد : کیا ؟ ابا جان ! آپ کے لئے تو مَیں نے دَر دَر کی ٹھوکریں کھائی ہیں .

مرزا حمید : ہاں میرے بچو ! . . . . . . میں ہی نواب محمد سلیم خان ہُوں ، جسے خُدا نے
سمندر کی غضب ناک لہروں سے بچایا . . . . میں ہی تمھارا باپ ہوں .
جو سولہ برس تمھاری جستجو میں پھرا . . . . ایک مدت کی آوارگی
کے بعد میں نے دوبارہ اپنا گھر بسانا چاہا تھا . . . . خُدا نے میری سُن
لی ! اب تمھاری امّی . . . .

حاجی : تو یہ نابکار آپ کا بیٹا ہے ؟

مرزا حمید : جی ہاں یہی نابکار میرا بیٹا ہے .

حاجی : تو پھر ان دس لاکھ روپوں کا جو اس نے چُرا لئے ہیں . آپ کو ذمہ دار ٹھہراتا
ہُوں .

مرزا حمید : کیا اس نے آپ کا کچھ چُرایا ہے ؟

حاجی : ہاں اس نے میری زندگی کی مسرتوں کو لوٹ لیا ہے۔

ارشد : مگر آپ کو یہ کس نے بتایا ؟

حاجی : چھٹن خان نے !

ارشد : اچھا . . . . تو یہ سب تمھاری شرارت ہے !

چھٹن خان : آپ دیکھ رہے ہیں میں چپ ہوں . . . . میں نے تو کچھ نہیں کہا۔

حاجی : یہ اسی نے بتایا ہے . . . . ان صاحب کے پاس اس کا بیان موجود ہے۔

مرزا حمید : لاحول ولاقوۃ !

ارشد : اور آپ کا خیال ہے . . . . آپ سمجھتے ہیں کہ یہ ذلیل حرکت میں نے کی ہے ؟

حاجی : کی ہے یا نہیں ۔ میں اپنی دولت کا دیدار دوبارہ کرنا چاہتا ہوں۔

چھٹا سین !

(حاجی عبدالقدوس ۔ باقر ۔ واٹسن ۔ کوکب ۔ جمیلہ ۔ چھٹن خان ۔ مرزا حمید ۔ ارشد ۔ شاہد اور فتنہ ۔)

شاہد : ابا جان ! آپ فکر نہ کریں اور کسی بے گناہ پر الزام نہ دھریں . . . . . . مجھے معلوم ہے کہ آپ کی دولت کہاں ہے . . . . لیکن میں صرف ایک شرط پر اسے لوٹانے کے لئے تیار ہوں اور وہ یہ کہ مجھے کوکب سے شادی کرنے کی اجازت دے دی جائے ۔

حاجی : مگر وہ ہے کہاں ؟

شاہد : آپ اس کی فکر نہ کریں . . . . وہ ایسی جگہ ہے جہاں میرے سوا اور کوئی نہیں پہنچ سکتا ۔ اب یہ لیجئے میری شادی یا آپ کی دولت ؟

حاجی : تم نے اس میں سے کچھ نکالا تو نہیں ؟

شاہد : آپ خاطر جمع رکھیئے ۔ میں صرف آپ کی رائے چاہتا ہوں ۔ کوکب کی امی نے شادی کی اجازت دے دی ہے ۔ اب فیصلہ صرف آپ ہی پر منحصر ہے۔

" : لیکن اب امی ہی کی نہیں ، میرے ابا جان اور بھیّا کی اجازت بھی ضروری ہے ۔ یہ میرے ابّا اور یہ بھیّا ہیں ۔

شاہد : آداب !

مرزا حمید : میرے بچو ! . . . . میں تمھاری خواہشات دبانا نہیں چاہتا ۔ مجھے تمھاری خواہشات کا احترام ہے ۔ . . . . حاجی صاحب آپ کو اس رشتے کے متعلق کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھلا ! لڑکی بہر حال باپ سے زیادہ بیٹے ہی کو پسند کرے گی ۔ میرے خیال میں آپ اس رشتے کو منظور کر ہی لیں تو بہتر ہے ۔

حاجی : مگر میں یہ فیصلہ کرنے سے پہلے اپنا صندوقچہ حاصل کرنا چاہتا ہوں ۔ . . . . آہ میری دولت کہاں ہے ؟

شاہد : اُف میرے اللہ ! آپ کا صندوقچہ بالکل محفوظ ہے ۔

حاجی : میرے پاس شادی میں دینے کے لئے کچھ نہیں ہے . . . . میں شادی میں کچھ نہیں دے سکتا ۔

مرزا حمید : حاجی صاحب ! میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے ۔ تو اس خیال کو دل میں نہ آنے دیجئے ۔

حاجی : تو دونوں شادیوں کا خرچ آپ ہی برداشت کریں گے ؟

مرزا حمید : کر لوں گا ! اب تو مطمئن ہیں آپ ؟

حاجی : ہاں اگر آپ شادی کے موقع پر تحفہ کے طور پر . . . .

مرزا حمید : اوہو ! . . . . یہ سب بھی ہو جائے گا ۔ آپ بے فکر رہیئے . . . . . . آئیے اس مبارک موقع پر خوشی منائیں ۔

باقر : آہم ! معاف فرمائیے . . . . ذرا ایک منٹ . . . . وہ ہماری محنت کا کچھ صلہ ؟

واٹسن : ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں.

حاجی : لاحول ولاقوۃ ! آپ کو بھی تنخواہ دینی ہے . . . . میرا آپ کے جانے یا انعام سے کوئی تعلق نہیں . . . . . . دولت تو خود بخود مل گئی . یہ صلہ کیسا ؟

باقر : واللہ ! یہ بھی خوب رہی !

واٹسن : لیکن حاجی صاحب ہمارے ساتھ کام تو پڑتے رہتے ہیں . ہم سے بنا کر رکھیئے.

حاجی : اچھا تو . . . . آپ اپنے انعام کے لئے (چھٹن خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اس آدمی کو پکڑ لیجئے .

چھٹن خان : اب یہاں کوئی کیا کرے . . . . . سچ بولا تو چھڑیوں سے پٹے . . . . جھوٹ بولا تو جیل جائیں .

مرزا حمید : حاجی صاحب ! آپ اس آدمی کو معاف کر دیں !

حاجی : تو پھر ان کی مٹھی بھی آپ ہی گرم کریں گے ؟

مرزا حمید : ہاں ہاں ! میں یہ بھی کر دوں گا . چلیئے . . . . آؤ بیٹا گھر چلیں اور تمھاری امی کو بھی اپنی خوشی میں شریک کریں .

کوکب : شاہد ! تم بھی آؤ نا !

شاہد : ہاں مجھے بھی ساتھ لے چلئے . (صندوقچی لاپرواہی سے فتنے کے ہاتھ میں دے دیتا ہے . سب باہر جاتے ہیں . فتنہ صندوقچی لئے حاجی صاحب کے پاس جاتا ہے جو ہاتھ پھیلائے کھڑے ہیں . فتنہ صندوقچی ان کے ہاتھ پہ رکھتے ہی واپس چھین کر بھاگ جاتا ہے)

حاجی : ارے میری صندوقچی تو دیتے جاؤ ! ارے کم بخت . . . . پاجی . . . . ناہنجار ! . . . . . آہ ! میری دولت . (بے ہوش ہو جاتے ہیں .)

(ڈراپ)

تصاویر

بحیثیت فن
رشید عمر تھانوی

فارُوق قیصر

گُل زمان کی حیثیت سے

دائیں سے بائیں : شمس الدین (واٹسن)، ضیا اللّٰہ خان (چھٹن خان باورچی)، منیر یوسفی (باقر)، بیگم عذرا شروانی (بوا لطیفن)
اور آغا خالد زبیر (چھوٹو کے کردار میں)